بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۲۵ رفروری ۲۰۲۲ء مطابق ۲۳ ررجب المرجب ۱۴۴۳ھ | شمارہ نمبر ۸

اس شمارے میں

شعروادب

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے — ۴ — علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

اداریہ

اصل ہے فکرِ آخرت واحتسابِ زندگی — ۵ — شمس الحق ندوی

تحقیق ونظر

عربی کے اثرات ہندوستانی زبانوں پر — ۷ — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اسرار وحِکم

انسانی اور آسمانی نظام کا فرق — ۱۰ — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

عصر حاضر

عمل اور ایثار۔وقت کے دو اہم تقاضے — ۱۳ — مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

ذرائع ابلاغ

اسلامی میڈیا کی عمومی خصوصیات — ۱۵ — مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہریؒ

اصلاح ودعوت

ایمان والوں کی محبت کس سے ہو؟ — ۱۸ — مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

آدابِ زندگی

غیبت سے بچنے کا طریقہ — ۲۳ — مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

تصویر وطن

ملک میں خود غرضی کا مانسون — ۲۴ — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

تذکیر وموعظت

سفر معراج۔اوج وکمال کا مظہر — ۲۷ — مولانا محمد طارق نعمان

تعارف وتبصرہ

مکتوبات حضرت مولانا علیہ الرحمہ — ۳۱ — محمد اصطفاء الحسن ندوی

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب — ۳۳ — مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڈ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری
وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مثلِ بُو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہوجا
رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہوجا
ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہوجا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ کا اجالا کردے

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو!
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

☆☆☆☆☆

اداریہ

اصل ہے فکرِ آخرت واحتسابِ زندگی

شمس الحق ندوی

آخرت کی کامیابی کے لیے قرآن کریم نے وہ اصول واحکام اور احادیث شریفہ نے نہ صرف اس کی وضاحت وتشریح بیان کی ہے بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔

تاریخ میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے نہایت شاندار محل تعمیر کرایا، اس محل کی شان وشوکت کا یہ عالم تھا کہ اس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہورہی تھیں، حسن وجمال کی تکمیل کے سارے سامان اس میں مہیا تھے، زیبائش وآرائش سے مزین ومرصع ہر ہر گیٹ پر اسلحہ سے لیس اعلیٰ قسم کی وردیاں پہنے ہوئے فوجی دستے دورویہ گھڑے تھے جو شاہی جاہ وجلال کا انوکھا منظر پیش کررہے تھے، محل کے اردگرد تماشائیوں کا ایک زبردست ہجوم داد تحسین دے رہا تھا، ہر شخص کی زبان پر مدح وستائش کا کلمہ جاری تھا، بادشاہ تمسخر وغرور کے لب ولہجہ میں ہر ایک سے پوچھتا کہ محل میں کوئی عیب وخامی تو نہیں ہے، ہر ایک تعریف کرتا، یہی کہتا کہ اس میں کوئی عیب ہے نہ خامی، محل اور محل کا ساز وسامان بے نظیر وبے مثال ہے۔

مگر اس جم غفیر میں تین ایسے جری اور ہوشمند نکل آئے جنھوں نے ایک نہیں دو عیب نکال دیے، انھوں نے کہا: ہاں یہ محل واقعی اپنی شان کا انوکھا محل ہے مگر اس میں دو عیب ہیں، یہ نہ ہوتے تو کیا کہنا تھا، مگر یہ دو عیب ہیں اور رہیں گے، وہ کیا؟ بادشاہ نے حیرت وتعجب اور غیض وغضب کے ملے جلے انداز میں پوچھا، انھوں نے نہایت متانت وسنجیدگی اور اعتماد سے کہا کہ ایک عیب تو یہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا جائے گا محل کا حسن وجمال ماند پڑتا جائے گا، اس کے استحکام میں ضعف وبوسیدگی ہوتی جائے گی، دوسرا عیب جو اس سے بھی بڑا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مالک اسکو یوں ہی چھوڑ کر بڑی حسرت ویاس کے ساتھ عالم آخرت کو روانہ ہوجائے گا، ان الفاظ کا سننا تھا کہ بادشاہ ایک گہرے فکر میں ڈوب گیا، یہ محل، اس کی شان وشوکت، یہ لاؤلشکر مجھ سے چھوٹ جائے گا؟ کل اس پر کسی اور کا قبضہ ہوگا، پھر اس سے دل بستگی کے کیا معنی؟ کیوں نہ زندگی کا وہ رخ اختیار کیا جائے جس میں حسرت ویاس کا گذر نہ ہو، دائمی عزت وسرفرازی نصیب ہو، وہ زندگی نصیب ہو جس کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا کہ ان کو صبر وثابت قدمی کے صلہ میں بالاخانے دیے جائیں گے، مبارکباد وسلام (کے سوغات حاصل) ہوں گے جو عارضی اور فانی نہ ہوں گے بلکہ (خَالِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ٹھہرنے اور رہنے کی بہترین جگہ ہے: "جَزَاءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذَالِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّه" (ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ باقی رہنے والے وہ باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگیا، وہ اس سے خوش، یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرا)۔

یہ خیال آنا تھا کہ بادشاہ کی دنیا ہی بدل گئی، یہ خوبصورت محل مٹی کا ڈھیر معلوم ہونے لگا، اس نے اسی وقت اس کو خیر باد کہا اور فکر آخرت میں لگ گیا، اب اسے صرف اس زندگی کی فکر تھی جو ابدی ولازوال ہے جہاں بقا ہی ہے، فنا کا گذر نہیں۔

تاریخ کے اس آئینہ میں اگر آج ہم اپنی صورت دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہم اپنے اقتدار، مال ودولت، فرموں اور ملوں، دوکانوں اور

کارخانوں کو دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں اور اس فکر میں حیات اخروی کو اس طرح بھولے ہوئے ہیں اور اس پر اس طرح خوشی سے پھولے ہوئے ہیں جیسے ہمیشہ کے لیے ہماری زندگیوں کا بیمہ ہو چکا ہے، کیا ہم کبھی اپنی ترقیوں میں ان دو عیبوں پر بھی غور کرتے ہیں؟ ہر ترقی زوال پذیر ہے، ہر مالک و حاکم اپنے ملک و حکومت کو چھوڑنے والا ہے، دوسرے قبضہ کرنے کی تاک میں ہیں، اسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے نہایت بلیغ انداز میں فرمایا کہ تم کو اپنے مال سے زیادہ محبت ہے یا غیر کے؟ حاضرین نے عرض کیا: اللہ کے نبی! غیر کے مال سے کس کو محبت ہوگی، ہر ایک کو اپنا ہی مال عزیز ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا: تم نے اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کر لیا وہی تمہارا ہے، باقی تو وارثوں کا ہے اور تم کو زیادہ محبت اسی سے ہے، تم اسی کو اپنا سمجھتے ہو، یہ کتنی بے عقلی و نادانی ہے!!!۔

اسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لیے آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ: انسان کے تین دوست ہیں، ان میں سے ایک تو اسی وقت ساتھ چھوڑ دیتا ہے جس آن وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے، دوسرا قبر تک ساتھ دیتا ہے، تیسرا سب سے بہتر وفادار ہے جو آخرت میں بھی ساتھ دیتا ہے، پھر آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ پہلا دوست مال ہے جو آخری سانس کے ساتھ ہی ساتھ چھوڑ دیتا ہے مگر یہ عجیب قصہ ہے کہ ہم کو اسی دوست کے ساتھ محبت اور لگاؤ ہے جو ایک دو قدم بھی ساتھ نہیں دیتا، اسی پر فریفتہ اور نثار ہیں، اور جو ہر منزل پر ساتھ دے گا، اس کی طرف سے یکسر بے توجہ اور غافل ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم اسی سے اپنا رشتہ استوار کرتے، اگر ایسا ہوتا تو ہم کو اس دنیا میں بھی بہت سے مصائب و آلام سے چھٹی ملتی، سکھ چین سے ہمکنار ہوتے اور آخرت میں بھی۔

آج ساری دنیا ان فانی چیزوں میں اپنی زندگی کو لگا مٹا رہی ہے اور اس کے پیچھے اس طرح دوڑ رہی ہے کہ اسے راستہ کے گڑھوں اور غاروں کا بھی ہوش نہیں ہے، کبھی تو وہ اس طرح ٹھوکر کھاتی اور گرتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا ہے، ہمارے سامنے کتنی ایسی مثالیں آتی ہیں کہ جو شخص ہزاروں کے جلو میں چلتا ہے، اربوں روپیوں کا مالک ہے، خالی ہاتھ اس طرح جاتا ہے کہ مٹھی کھلی کی کھلی رہتی ہے، ساتھ کوئی نہیں دیتا اور یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس کو کسی فلسفیانہ اور منطقی دلیل سے نہیں جھٹلایا جا سکتا، ایک یہی وہ مسئلہ ہے جس میں دنیا کے کسی طبقے کو اختلاف نہیں، اس دارِ فانی میں آنے والے ہر شخص کو یہ منزل پیش آ کر ہی رہے گی:

ہم نہ تھے کل کی بات ہے صوفیؔ
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

یہ خیال ہمارے اس زمانے میں جیسے لوگوں کے دلوں سے نکل چکا ہے، آج انسان جھوٹی عزت، جھوٹی بھوک کے گرد کولہو کے بیل کی طرح چکر لگا رہا ہے اور یہ وہ دائرہ ہے جس کی مسافت ختم ہی نہیں ہوتی، اسی لیے حضورؐ نے فرمایا ہے جس کا مفہوم ہے کہ: آدم کے منہ کو تو مٹی ہی بھر سکتی ہے، اس ہوس کی کھلی ہوئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو ایک دوکان کا مالک ہے، دوسری کی فکر میں ہے، جو کئی فرموں اور کارخانوں کا مالک ہے، اس کو آگے کی فکر ہے، اس زندگی کے بعد کیا ہے؟ آخرت میں کیا گذرے گی؟ وہاں کیا کیا کام آئے گا؟ اس سے ذہن خالی ہیں، اوپر کا واقعہ ہماری عبرت کے لیے کافی ہے، ایسے شاندار محل اور جاہ و جلال کا چھوڑنا مشکل و محال تھا مگر جب اس کے دو عیب سامنے آ گئے تو اس کی کوئی قیمت نہ رہی، بات صرف محل کی نہیں، اس دنیا کی ہر چیز میں یہی دو عیب ہیں سوائے اعمال خیر کے، کیوں نہ ہم اس چیز کو اپنائیں جس میں یہ دو عیب نہیں، وہ ہے فکرِ آخرت اور زندگی کا احتساب، اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا انجام حسرت و ماتم کے سوا کچھ نہیں۔

☆☆☆

تحقیق و نظر

عربی کے اثرات ہندوستانی زبانوں پر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اس ملک کی تہذیب وتمدن، معاشرت، زبان وادب اور تخیلات پر مسلمانوں نے جو اثر ڈالا اس کا کچھ اندازہ کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ عربی زبان نے جو مسلمانوں کی مذہبی اور بین الاقوامی زبان ہے' اس ملک کی زبانوں اوران کے الفاظ پر کیا اثر ڈالا ہے، پیش نظر مضمون میں انھیں اثرات کی نشاندہی مقصود ہے۔

افکاروخیالات وتعبیرات کا باہمی تبادلہ

کسی ترقی یافتہ اور متمدن زبان کا دوسری زبانوں پر اثرانداز ہونا تہذیب وتمدن کی تاریخ کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، انسانی تہذیبیں تمدن کے ہر دور میں افکار وخیالات، طرز ادا اور انداز ہائے نگارش کا باہمی تبادلہ کرتی رہی ہیں، زندگی اور ترقی کا فطری اصول بھی یہی ہے، لیکن جب کوئی زبان ترقی کے اس فطری اصول سے روگردانی کرتے ہوئے دوسری زبانوں سے افادہ واستفادہ کا سلسلہ بند کردیتی ہے، اور اپنے قدیم ورثے سے چمٹے رہنے کو اپنا شعار بنالیتی ہے تو گویا وہ اپنے کو ترقی کی راہ سے ہٹا کر تمدن سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے ایسی زبان کاروانِ زندگی سے کوسوں بچھڑ جاتی ہے، اس کی حیثیت ایک جامد اور محدود زبان کی سی رہ جاتی ہے، جس میں ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کے روز بروز بڑھتے اور بدلتے ہوئے افکار اور ترقی کی راہ پر گامزن انسانوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

پردیسی الفاظ دیسی لباس میں

میرا خیال تھا کہ اردو زبان کا جو عربی، سنسکرت، فارسی اور ترکی کا مجموعہ ہے' خاصہ حصہ عربی زبان پر مشتمل ہے، اس سلسلہ میں میرے سامنے صرف دو الفاظ آتے تھے جو اردو میں داخل ہونے کے بعد بھی اصل عربی شکل پر قائم ہیں، نیز یہ کہ یہ سلسلہ صرف اردو زبان تک ہی محدود ہوگا، کیونکہ عربی زبان سے اس کا قریبی رشتہ ہے، مجھے اعتراف ہے کہ تلاش و تحقیق کے اس دلچسپ سفر میں بڑی معلومات حاصل ہوئیں، بعض ایسی شخصیتوں سے سابقہ پڑا جو' بھیس' بدل کر' دیسی لباس' زیب تن کیے ہوئے تھیں، جب میں نے ان کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ خالص عرب ہیں، اس سفر کی دلچسپ، مفید اور پراز معلومات ڈائری سامعین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔

سکے

سفر شروع کرنے سے قبل سامانِ سفر اور اخراجات کی فراہمی ضروری تھی، کیونکہ پورے ہندوستان کا سفر درپیش تھا چنانچہ سب سے پہلے میرا ذہن لفظ" دام" کی طرف گیا، یہ لفظ ہندی، اردو دونوں زبانوں میں خرچ اور دولت کے معنی میں مستعمل ہے، عربی لفظ درہم سے ماخوذ ہے، عربی میں مطلقاً دولت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، عام طور پر درہم ودینار بولا جاتا ہے، اسی کے ساتھ لفظ" کیرانت" بھی ذہن میں آیا، اودھ کے پرانے کاغذات میں آنوں اور پائیوں کے بعد کی ریزگاری اور خوردہ وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہ اصل میں عربی لفظ" قیراط" سے مشتق ہے اسی سلسلہ میں" اشرفی" بھی یاد آئی، تاریخ میں جب میں نے اس کی اصل تلاش کی تو معلوم ہوا کہ مشہور عرب جہازراں ابن ماجد اسد البحر نے اپنی کتاب "الفوائد فی أصول البحر والقواعد" میں لکھا ہے کہ "والحادی عشر برسبی ضارب سکة الاشرفی" یہ سونے کا بنا ہوا ایک سکہ ہے جو گزشتہ زمانہ میں مستعمل تھا اور اب تک اس کا استعمال جاری ہے۔

کھانوں کے اقسام

اس سفر میں ایک ہندوستانی دوست کے یہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، میزبان نے بڑی تواضع سے کام لیا، انواع واقسام کے کھانے تیار کرائے جب میں نے اس وسیع دسترخوان کا جائزہ لیا تو اچانک میری نظر" فیرنی" پر پڑی جو پسے ہوئے چاول اور دودھ سے بنائی جاتی ہے، اسے پہلے" المهلبیه" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کی نسبت مشہور عباسی سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کی طرف کی جاتی ہے، علاوہ ازیں محمد الخوارزمی نے بھی لکھا ہے کہ" الفرانی" مریضوں کے لیے پرہیزی کھانے کے طور پر خمیری روٹی دودھ اور شکر ملا کر بنائی جاتی تھی۔

انہی کھانوں میں" قلیہ" بھی تھا جو اس سالن کو کہا جاتا ہے، جس میں گوشت شوربہ اور سبزی شامل ہو، اصل میں یہ عربی لفظ" قلّیه" لام کی تشدید کے ساتھ ہے، جو قلی یقلی قلیاً سے مشتق ہے جس کے معنی گوشت پکانا، قلیہ کے

قریب ہی کباب تھے، یہ اصل میں عربی لفظ "الکب" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں الٹنا پلٹنا، اس لیے یہ لفظ ایسے کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو آگ پر الٹ پلٹ کر تلا جائے، عربی لغات میں "کب" کے معنی "عمل الکباب" یعنی کباب بنایا لکھے ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں مجھے ایک لفظ "شوربہ" یاد آیا، یہ اصل میں "شربہ" تھا، جس سے مراد وہ پینے والی چیز ہے، جو ایک دفعہ میں پی لی جائے۔

سامان تواضع وآرائش

جب میں نے اپنے میزبان کو ہندوستانی رواج کے مطابق "حقہ" مانگتے اور ملازم کو "سلفہ" تیار کرنے کی ہدایت کرتے سنا تو اور بھی متعجب ہوا، یہ بھی خالص عربی لفظ ہے، عرب اس لفظ سے کھانے سے قبل کا ناشتہ مراد لیتے ہیں، کھانے کے بعد جب میں نے گھر کے فرنیچر اور دوسرے زیبائش کے سامان پر نظر دوڑائی تو یہ معلوم کر کے میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اکثر چیزوں کے نام خالص عربی ہیں، لیکن ان ناموں کو استعمال کرنے والے افراد اس حقیقت سے ناواقف ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے میری نظر اس "قالین" پر پڑی جس پر ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اس کی اصل عربی لفظ "القالی" ہے جو اس فرش یا چاندنی کو کہتے ہیں جو قالیقلا کی طرف منسوب ہے، قالیقلا ارمینیہ میں خلاط کے مضافات کا ایک شہر تھا، مشہور عربی مصنف أبو علی القالی اس شہر کی طرف منسوب ہے، معجم البلدان، میں یاقوت الرومی لکھتے ہیں کہ قالی نامی فرش قالیقلا میں بنائے جاتے تھے، ثقل کی وجہ سے اس کی نسبت کرتے وقت صرف قالی پر اکتفا کی گئی۔

تعمیر کے کارپرداز

گھر کے ساز وسامان کے بعد میرا ذہن اس عمارت کے معمار کی طرف منتقل ہوا کیونکہ مکان اپنی خوبصورتی اور خوش سلیقگی کے لیے اس کا مرہون منت ہے، چنانچہ مجھے اس موقع پر ہندی لفظ "راج" نے سخت تعجب میں ڈال دیا، یہ دراصل صرف ایک حرف کی تبدیلی کے ساتھ اصل عربی لفظ "الراز" سے بنا ہے، عربی لغات میں "الراز" کے معنی "ہیڈ مستری" لکھے ہیں، اصل میں یہ لفظ "الرائز" تھا۔

اسی طرح ماہر کاریگر کے لیے ہندوستان میں "مستری" کا لفظ بولا جاتا ہے جو اصل میں عربی لفظ "مسطری" کی بگڑی ہوئی شکل ہے، عربی میں "مسطری" اس کاریگر کو کہتے ہیں جو دیواروں کو برابر کرنے کے لیے مسطر اپنے ساتھ رکھتا ہو۔

تعمیر کے آلات واوزار

اسی طرح بڑھئی اور کاریگروں کے کاموں میں لفظ "خراد" بھی خاصا مستعمل ہے، یہ درحقیقت عربی لفظ خرط یا خراط سے بنایا گیا ہے جس کے معنی لکڑی یا لوہے کو برابر اور ہموار کرنے کے ہیں۔

عمارت سازی کے دوسرے اوزار و اصطلاحات کا جائزہ لیتے وقت لفظ "ساہول" بھی سامنے آیا، یہ ایک چھوٹے لوہے کو کہتے ہیں، جس کو دھاگے کے کنارے باندھ کر دیوار کی سیدھ دیکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، خوارزمی نے "مفاتیح العلوم" میں "ساقول" نام کے ایک آلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ ایک بھاری چیز ہوتی ہے، جو رسی کے کنارے باندھی جاتی ہے، بڑھئیوں اور معماروں کے کام آتی ہے، اسی طرح لفظ "کونی" بھی "الکونیا" سے نکلا ہے' خوارزمی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے ذریعہ زاویہ قائمہ نکالا جاتا ہے۔

نمونے کے چند اور الفاظ

ہمارے میزبان کا مکان سفید تھا، معلوم ہوتا تھا، حال ہی میں اس پر سفیدی کرائی گئی ہے مجھے اس وقت اچانک "قلعی" کا خیال آیا، ہندوستان میں یہ لفظ سفیدی کے معنی میں مستعمل ہے، اس سلسلہ میں "لسان العرب" کے مؤلف کا بیان ملاحظہ ہو کہ "قلعی" بہترین سیسہ کو کہتے ہیں گہری سفیدی کو بھی قلعی کہا جاتا ہے "القلع" اس دھات کا نام ہے جس سے عمدہ سیسہ تیار ہوتا ہے۔

میزبان کے دروازے پر ایک شخص کھڑا تھا، جو غالباً دربانی کے فرائض انجام دے رہا تھا، اسے دیکھ کر میرا ذہن لفظ "احدی" کی طرف گیا، احدی ایسے کاہل شخص کو کہتے ہیں جو گھر ہی پر پڑا رہتا ہے اور بلا محنت ومشقت دوسروں پر بار بن جاتا ہے، دراصل عربی میں "احدی" کے معنی اکیلا کے ہیں بادشاہوں اور امراء کے دروازوں پر ایک شخص پہرہ داری کے لیے مقرر کیا جاتا تھا جس کا اور کوئی کام نہ تھا، محض مالک کے ٹکڑوں پر اس کی پرورش ہوتی تھی، اسی لیے اسے احدی کہا جانے لگا، یعنی ایسا شخص جو کاہلوں اور اپاہجوں کی طرح بیکاری میں اپنا وقت گزارے۔

میرے دوست نے مجھے سیر و تفریح کی دعوت دی تو میرے ذہن کی پرواز لفظ "تماشا" تک جا پہنچی ہندوستانی زبانوں میں اس لفظ کے معنی تفریح طبع کے ہوتے ہیں، یکا یک یہ پتہ چلا کہ یہ اصل میں عربی لفظ "تماشی" جس سے مراد دوستوں کے ساتھ سیر وتفریح کرنا ہے، اس پر

فارسی قاعدے کے مطابق زبردے کر تماشا بنادیا گیا ہے جیسے تمنی سے تمنا بن گیا۔

اس مختصر گفتگو میں ہندوستانی زبانوں میں بولے جانے والے ان تمام عربی الفاظ کا تذکرہ ناممکن ہے جو اس مختصر سیاحت میں سامنے آئے اللہ تعالی حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندویؒ کو جزائے خیر دے جنھوں نے اس موضوع پر تلاش وتحقیق کے بعد بڑی دلچسپ مثالیں پیش کی ہیں۔ [ملاحظہ ہو نقوش سلیمانی: مضامین ''پرانے لفظوں کی تحقیق وتہنید'']

اب بھی بحث وتحقیق کے دلدادگان کے سامنے جستجو کا وسیع میدان ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کام کا بیڑہ اٹھانے والے عربی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں مہارت تامہ رکھتے ہوں، جدید وقدیم ماخذوں سے بخوبی واقف ہوں اور عربی زبان وادب کے ذخیروں اور مجموعوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں، جلد بازی اور سطحی نتائج اخذ کرنے کے بجائے اس طرح کے الفاظ کے دور دراز سفر میں بادیہ عرب سے دنیائے اسلام کے صدر مقاموں، صحرائے سندھ اور وادیٔ گنگ وجمن سے گزرتے ہوئے بحرعرب کے ساحل تک ہر منزل اور ہر دور میں ان کے ہمرکاب رہیں۔

بلاشبہ اگر کوئی جماعت رخت سفر باندھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ کس طرح عربی زبان ہندوستانی زبانوں پر اثرانداز ہوئی اور ہندوستانی ادب میں اس نے کس طرح اپنی راہ بنائی، اس نے ہندوستانی کلچر اور تہذیب کا مقابلہ کیا اور پھر اس طرح اس میں سرایت کرگئی کہ الفاظ کی شناخت بھی محققین کے علاوہ کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ملت کے لیے ایک بڑا خسارہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

ادھر کچھ عرصہ میں ہمارے ملک ہندوستان میں کئی علمی، دینی اہم شخصیات دنیا سے رخصت ہوئیں، ان کے دنیا سے جانے کا اثر ابھی کم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ہمارے عزیز دوست بچپن کے ساتھی اور مختلف علمی، دینی اور اصلاحی کاموں میں شریک مجی مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی بھی مورخہ ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۲۰۲۲ء بروز ہفتہ ایک طویل علالت کے بعد دہلی میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ہندوستان کی بڑی صاحب علم شخصیت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ تھے، انہوں نے متعدد خوبیاں اور صفات اپنے والد ماجد سے ورثہ میں پائی تھیں، ان کی وفات ہم سب کے لیے ایک بڑا علمی، دینی خسارہ ہے۔ میرا ان سے جو ذاتی تعلق رہا اور ہم دونوں کی زندگی کا ایک بڑا حصہ چونکہ ساتھ گزرا، اس لیے ان کی وفات میرے لیے گہرے صدمہ کا سبب بنی، وہ میرے لیے ایک دلعزیز دوست کی حیثیت رکھتے تھے، میری ان سے فکری اور عملی ہم آہنگی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات عطا فرمائی تھیں، وہ امت کے لیے مفید اور اہم خصوصیات تھیں، ان کے والد ماجدؒ نے ماہنامہ ''الفرقان'' نکالا تھا، مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بڑی فکری ہم آہنگی تھی، دونوں اہم اور نازک معاملات میں ایک دوسرے کے مشیر اور دینی، دعوتی اور اصلاحی کاموں میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور دونوں کے درمیان یہ مناسبت اور تعلق پوری زندگی قائم رہا۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا قلم بہت اچھا تھا، وہ مختلف موضوعات پر لکھتے تھے، والد ماجد کے انتقال کے بعد طویل عرصہ تک ماہنامہ ''الفرقان'' کے ایڈیٹر رہے، اور اپنے مضامین سے ہندوستانی مسلمانوں کی فکری، دینی اور سیاسی رہنمائی کرتے رہے، اور برطانیہ منتقل ہونے کے بعد بھی اپنے ملک کے مسائل اور حالات پر نظر رکھتے رہے اور لکھتے رہے۔ چھ جلدوں پر مشتمل ''محفل قرآن'' نام سے ایک تفسیر ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ میں ان کے حادثۂ وفات کو امت کے لیے بڑا خسارہ سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کی نیکیوں کا بہتر سے بہتر صلہ اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے صاحبزادگان عزیزی عبید الرحمٰن سنبھلی اور عزیزی رضی الرحمٰن سنبھلی اور برادران مجی مولانا محمد حسان نعمانی ندوی اور مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی کی خدمت میں میں اپنے دلی جذبات پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

اسرار و حِکم

انسانی اور آسمانی نظام کا فرق

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دنیا کا رواج اور انسان کا معمول یہ ہے کہ وہ کائنات کے نظام کو اجتماعی زندگی کے حال پر قیاس کرتا ہے، یعنی جس طرح دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ کسی نظام کو بنانے کے متعلق پلاننگ کی جاتی ہے اور پلاننگ کرنے کے بعد اس کو کام کرنے والوں کے سپرد کردیا جاتا ہے کہ تم اس پلاننگ کے مطابق کام کرو اور نظام بنانے والا انسان خود فارغ ہوجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح انسان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا اور سارا نظام بنا کر دوسروں کے ذمہ کردیا، لہٰذا اب فلاں معبود ہماری ضرورت پوری کردے گا، فلاں معبود ہماری مصیبت ہٹا دے گا اور فلاں معبود ہمیں فائدہ پہنچا دے گا، گویا یہ سب انسانوں نے اپنے طور پر طے کرلیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان یاد بھی نہیں رکھتا، بلکہ وہ اسی خیال میں بھٹکا رہتا ہے کہ جس طرح دنیا میں ایک چھوٹے افسر سے کام چل رہا ہے تو بڑے افسر کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے چھوٹے چھوٹے افسر بنادیے ہیں جو انسانوں کے کاموں کو انجام دیں گے اور نعوذ باللہ خود اللہ تعالیٰ فارغ ہوگیا ہے تو ہم اس کے پاس کیوں جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو اپنا کارساز سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری ضرورتیں پوری کردیں گے اور اللہ تعالیٰ کو تم یہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً سارا عالم بنایا ہے، مگر اس نے بنانے کے بعد دوسروں کے سپرد کردیا ہے، یہ ایک دھوکہ ہے اور بہت ہی سطحی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے پورا نظام بنا کر ہر چیز اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے اور بیچ میں واسطے نہیں رکھے ہیں، حتی کہ انبیاء بھی واسطہ نہیں ہیں، جب کہ انسانوں میں سب سے بڑی شخصیت اور سب سے بڑا مقام انبیاء کا ہے، مگر انبیاء بھی بیچ میں واسطہ نہیں ہیں، دعا مانگنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم سے براہ راست دعا مانگو، ہم سے براہ راست تعلق رکھو، بیچ میں واسطوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ارشاد الٰہی ہے:

”وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ“ [البقرۃ: ۱۸۶] (اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں ہر پکارنے والے کی پکار میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو ان کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ سعادت سے ہمکنار ہوں)۔

اہل بدعت کی غلطی

جو لوگ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں، یا جو لوگ بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اسی غلطی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ وہ بیچ میں واسطے بنا لیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ فلاں شخص بزرگ ہوگیا تو گویا اللہ کا پسندیدہ ہوگیا، لہٰذا اب وہ اللہ کی طرف سے جو چاہے کرے، اللہ تعالیٰ اس کی رعایت کرے گا، اگر وہ چاہے تو کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور اگر وہ چاہے تو کسی کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے، گویا ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس شخص میں ایک طریقہ سے اللہ تعالیٰ والی قوت آگئی ہے، اسی لیے قبروں پر جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قبر میں بزرگ ہے تو گویا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار حاصل ہے کہ وہ لوگوں کی تکلیفیں دور کرسکتا ہے اور وہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، انسانی دلوں میں یہ بات بہت جلدی بیٹھ جاتی ہے اور پھر یہ بات شرک تک پہنچ جاتی ہے، انسان کی کمزوری یہ ہے کہ اس کے ذہن میں ایسی باتیں بہت جلدی آجاتی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انسانی نظام میں پلاننگ کرنے والے افسر اعلیٰ یا دوسرے لوگ ہوتے ہیں، خود بادشاہ کچھ نہیں کرتا، بس اس کا حکم اور پالیسی چلتی ہے، باقی کام وزراء کرتے ہیں اور اس کے نیچے کے سکریٹری کرتے ہیں، اسی لیے جس کو اپنا کام کرانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ ہمیں بادشاہ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ جو شخص اس کام پر مامور ہے اور جو اس کا سکریٹری ہے ہم اسی کو راضی کرلیتے ہیں اور خوش کرلیتے ہیں تو کام ہوجائے گا، گویا صرف اس کو راضی کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ بادشاہ کو راضی کرنے کی، دنیا کے اسی نظام کو انسان اللہ تعالیٰ کے نظام پر قیاس کر بیٹھتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شرک تک پہنچ جاتا ہے۔

انسان ابتداء میں شرک خفی میں مبتلا ہوتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسباب ووسائل کو متصرف مان لیتے ہیں کہ ان ہی سے سارا کام چلتا ہے، حتی کہ حدیث شریف میں یہاں تک آتا ہے:

”من قال مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بي وكافر بالكوكب“[صحیح بخاری، حدیث:۸۴۶] (جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرے اوپر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے)۔

حدیث کی رو سے یہاں تک کہنا منع ہے کہ بارش موسم کی بنیاد پر ہوئی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بارش اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نازل کرتا ہے، لیکن نجومی کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ نکلے گا تو ایسا ہوگا، گویا وہ ستاروں کو اصل اور متصرف سمجھتے ہیں، جب کہ دوسری چیزوں کو متصرف سمجھ لینا ہی شرک تک پہنچاتا ہے۔

ابلیس کی غلطی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان انسانوں کو بہکاتا ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ابلیس جنات کی نسل سے تھا، لیکن اس نے اتنی عبادت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اتنے طریقے اختیار کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مقام بلند کردیا اور وہ فرشتوں کے ساتھ رہنے لگا، گویا ان کا ایک جز بن گیا، ظاہر ہے آدمی کے جو رفقاء ہوتے ہیں وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے، تو وہ بھی فرشتوں کی طرح ہوگیا تھا، حالانکہ فرشتہ نہیں تھا، بلکہ اس کی فطرت مختلف تھی، چنانچہ اس نے نافرمانی دکھائی اور نافرمانی صرف یہی نہیں دکھائی کہ وہ آدم کے سامنے جھکا نہیں، بلکہ اس نے اپنی بات کی توجیہ کی یعنی اللہ تعالیٰ سے مخاصمہ کیا، اللہ تعالیٰ نے کہا: تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اب اگر اس سے غلطی ہوئی تھی تو وہ اس کی تلافی کرتا اور کہتا کہ ہم سے بھول ہوگئی، یا یہ کہتا کہ ہم سمجھے ہم مخاطب نہیں ہیں، اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو فرق آجاتا، مگر وہ بحث کرنے لگا کہ ہم بڑے ہیں، آپ کیسے ہم سے سجدہ کرارہے ہیں؟ ظاہر ہے جب اس نے اللہ سے بحث کرلی تو وہ فرشتوں میں رہنے کے قابل نہیں رہ گیا، وہ تو عالم بالا ہے، اس میں اس کو رہنے اور جانے کا موقع مل گیا تھا، یہ اس کے ساتھ اللہ کا بڑا کرم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں والے عالم میں رکھا تھا اور اس کو موقع دیا تھا، وہ وہاں جاتا تھا اور اسی طرح اس کو وہ فوائد حاصل تھے جو ملائکہ کو حاصل تھے، لیکن اس نے اپنے کو تباہ کرلیا اور اس تباہی کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کیا، بلکہ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو غارت وبرباد کیا ہے، اسی لیے ہم انسانوں ہی کو برباد کریں گے اور انسانوں کی وجہ سے ہمیں یہ مصیبت جھیلنی پڑی ہے، لہٰذا ہم انسانوں کو نہیں چھوڑیں گے، ارشاد الٰہی ہے:

”قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ، ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ، قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْؤُومًا مَّدْحُورًا لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ“ [الاعراف:۱۶-۱۸] (بولا جیسا تو نے مجھے بدراہ کیا ہے میں ان کے لیے بھی تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا، پھر میں ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے ان کے پاس آکر رہوں گا اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا، فرمایا یہاں سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جا، جو کوئی تیری بات مانے گا میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا)۔

تخلیق آدم کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ذمہ داری دینے کے لیے پیدا کیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ صحیح طریقہ پر ذمہ داری انجام دینے کے نتیجہ میں جنت کا مقام دینا چاہتا تھا اور ظاہر ہے جو لوگ اس ذمہ داری کو امانت داری کے ساتھ پورا کررہے ہیں ان کو ان شاء اللہ جنت کا مقام ملے گا، لیکن جو لوگ اس سلسلہ میں زیادہ غور نہیں کرتے اور اپنی عقل سے کام نہیں لیتے، ان کے پاس کان تو ہیں مگر وہ ذمہ داری انجام دینے میں حق بات نہیں سنتے اور ان کے پاس دل تو ہیں مگر وہ حق بات قبول نہیں کرتے اور نہ ہی حقیقت تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ وہ وسائل پر اعتماد رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی کارساز حقیقی ہیں، ان کے بغیر کوئی کام نہیں ہوگا اور جب یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے تو کہتے ہیں: ہم اس سے براہ راست کہاں کچھ کہہ سکتے ہیں، وہ تو بلندی پر ہے، ہم اس تک پہنچ ہی نہیں سکتے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف یہ بات کہی ہے کہ ہم سے براہ راست تعلق رکھو اور وسائل کو اصل مت سمجھو، اس کے بعد آدمی کو کچھ اور سوچنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، بلکہ ہر لحمہ اللہ کو ماننا چاہیے اور ہر چیز اسی سے مانگنا چاہیے، ارشاد الٰہی ہے:

”وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ

وَالإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ،وَلِلّهِ الأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيَ أَسْمَآئِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" [الاعراف: ۱۷۹-۱۸۰](اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جنات اور انسان پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے گئے گذرے ہیں، وہی لوگ غافل ہیں اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں تو ان ہی سے اس کو پکارو اور جو اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو جو وہ کر رہے ہیں اس کی سزا ان کو جلد ہی مل جائے گی)۔

معبودان باطلہ اور ان کے پرستاروں کا حال

"مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُداً، وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقاً، وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفاً" [الکہف:۵۱-۵۳](نہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے ہوئے انھیں حاضر کیا تھا اور نہ خود ان کو پیدا کرتے ہوئے اور ہم بہکانے والوں کو (دست و) بازو نہیں بناتے اور جس دن وہ فرمائے گا کہ بلالو میرے ان ساجھیوں کو جن کو تم نے (ساجھی) سمجھا تھا تو وہ آوازیں دیں گے بس وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک خندق حائل کر دیں گے اور مجرم لوگ آگ دیکھیں گے تو سمجھ لیں گے کہ ان کو اسی میں گرنا ہے اور اس سے واپسی کا ان کو کوئی راستہ نہ ملے گا)۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مشرکین سے خطاب کرکے فرماتا ہے کہ جب ہم آسمان وزمین پیدا کر رہے تھے تو یہ ہمارے سامنے موجود نہیں تھے اور اگر یہ موجود ہوتے بھی تو کیا ہم اپنا کام ان کے سپرد کر دیتے؟ ایسا کچھ نہیں ہے، بلکہ خود ان کو بھی ہم ہی نے پیدا کیا ہے، تو جب ہم ان کو پیدا کر رہے تھے، کیا اس وقت یہ دیکھ رہے تھے کہ ہم ان کو پیدا کر رہے ہیں؟ کیا انہوں نے اپنی پیدائش کو دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ تو اس وقت بھی کچھ نہیں تھے اور بعد میں بھی کچھ نہیں ہوں گے، پھر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ گمراہ کرنے والے ہیں ان کو ہم اپنا "عضد" یعنی معاون نہیں بناتے، عربی زبان میں عضد شانہ کو کہتے ہیں، یہ لفظ عربی میں مدد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کو مددگار نہیں بنا سکتے جو گمراہ کرنے والے ہیں۔

معبودان باطلہ اور حکم الٰہی کی تنفیذ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو تم نے اپنا معبود سمجھ رکھا ہے، ان سے تم اپنی مصیبتوں کو ٹالنا چاہتے ہو اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، یہ وہ ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے، جب ہم دنیا بنا رہے تھے اور یہ پورا عالم بنا رہے تھے تو کیا اس وقت یہ موجود تھے؟ کیا اس وقت ہمارے ساتھ شریک تھے؟ کیا یہ چیزوں کو جانتے ہیں؟ یہ تو وہاں موجود بھی نہیں تھے، تو اب ہم نظام چلانے میں ان سے کیا مدد لیں گے؟ کیا ہم ان کو اپنا واسطہ بنائیں گے؟ کیا ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنا کام ان کے سپرد کریں؟ ہمیں اس کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حکم کی تنفیذ میں "کن فیکون" سے کام لیتا ہے، اس نے جب ارادہ کیا اور چاہا تو چیز ہو جاتی ہے، اس کو کسی واسطہ یا تدبیر یا ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ذریعہ کچھ نہیں ہے، اس کا چاہنا اور اس کے علم میں آنا ہی کافی ہے، بس اسی سے چیز وجود میں آجاتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں "لا یعلم" کی تعبیر کئی جگہ استعمال ہوئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

"قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِيَ السَّمَاوَاتِ وَلَا فِيَ الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ" [یونس:۱۸](کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اس چیز کی اطلاع دے رہے ہو جو آسمانوں میں اور زمین میں وہ نہیں جانتا، جو کچھ وہ شریک کرتے ہیں اس کی ذات اس سے پاک ہے اور بہت بلند ہے)۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے ناواقف ہے، بلکہ اللہ کے نہ جاننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہے ہی نہیں اور اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، اللہ کا علم کسی چیز کے وجود کی علامت ہے، کسی چیز کا وجود بغیر اللہ کے علم کے ممکن نہیں، اسی لیے اللہ فرماتا ہے کہ یہ ایسی بے تکی بات کرتے ہیں اور فلاں فلاں چیز کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو معلوم نہیں ہیں، اس کی ذات ان سب باتوں سے بالکل پاک اور برتر ہے۔

.....(جاری)

☆☆☆☆☆

عصر حاضر

عمل اور ایثار۔ وقت کے دو اہم تقاضے

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

دنیا کے کسی کامیاب معاشرے کا جائزہ لیجیے تو اس کی کامیابی اور خوشحالی میں عمل وایثار کا حصہ سب سے زیادہ نظر آئے گا، یہ ایک انسانی ضرورت ہے، اس سے گریز کرنا یا اس کو نظر انداز کر کے خوشحال زندگی کی توقع رکھنا، کسی ذہانت یا عقل مندی کی علامت نہیں ہے، تاریخ انسانی کے کسی دور میں کوئی ایسا سماج دکھائی نہیں دیتا، جہاں عمل اور ایثار کے خلاف کوئی آواز اٹھی ہو، جس طرح ظلم و ناانصافی اور دوسری اخلاقی برائیوں کے خلاف آواز اٹھتی رہتی ہے۔

ہم غور کریں تو نہایت آسانی کے ساتھ یہ بات ذہن نشیں ہوسکتی ہے کہ عمل اور کوشش اور اس راہ میں تکلیف اٹھانا انسان کی فطرت میں داخل ہے، کوئی خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، کتنا ہی مالدار اور خوش حال کیوں نہ ہو، لیکن وہ بھی کام کرنے اور عمل کی راہیں متعین کرنے پر مجبور ہے، دنیا کے کسی مذہب یا فلسفہ میں ایثار وعمل سے کنارہ کشی کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، بلکہ اس کی ترغیب دلانے اور زندگی کو اس صفت سے مزین کرنے کی تعلیمات موجود ہیں، ایک طرف جانفشانی اور محنت کا حکم ہے تو دوسری طرف اپنے انسانی بھائی اور پڑوسی اور اپنے اور پرائے سبھی کے ساتھ ایثار کا معاملہ کرنے اور ان کی ضرورتوں اور تکلیفوں میں ساتھ دینے اور اپنی نجی ضرورتوں کو مؤخر کر کے حاجتمندوں کی حاجت روائی کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، وہ یہ کہ کوئی ماحول اور سماج ترقی اور خوشحالی، امن و سلامتی اور زندگی میں سکون واطمینان کی منزل کی طرف اسی وقت گامزن ہوسکتا ہے جب اس کے افراد آپس میں تعاون کا جذبہ رکھتے ہوں، اور اپنی اپنی ذمہ داری کو پوری کرنے اور عمل کے میدان میں سرگرمی اور خلوص کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے پر تیار ہوں۔

عمل صرف الفاظ کے گورکھ دھندوں کا نام نہیں ہے، عمل کا مطلب ہے کہ انسان اپنی پوری کوشش و محنت سے وہ کام کرے، جو اس نے خود اختیار کیا ہے یا اس کے لیے اس کا انتخاب ہوا ہے، خواہ آزادرہ کر اپنی ذاتی ذمہ داری میں اسے انجام دے، یا کسی بڑے شخص یا جماعت وادارہ کی ماتحتی میں وہ اس کام کو پورا کرے، عمل کی کامیابی یا کامیاب عمل کے لیے جس چیز کی بنیادی اہمیت ہے وہ احساس ذمہ داری ہے، جب بھی یہ احساس ہمارے اندر موجزن ہوگا عمل کے میدان میں ہم ہر اعتبار سے ہمیشہ کامیاب رہیں گے، اور اس کا بہترین ثمرہ ہم کو توقع کے مطابق ملتا رہے گا، اسی کے ساتھ مقصد کا تعین بھی ایک ضروری امر ہے، جب مقصد بڑا ہو تو عمل کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے اور اس پر محنت وکوشش کا تناسب بھی بڑا ہوتا ہے، عمل کرنے والے کی توجہ اس پر زیادہ سے زیادہ مرکوز ہوتی ہے اور وہ تھوڑے وقت میں زیادہ پیداوار کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مقصدیت کی روح سے خالی ہو کر اور ذمہ داری کے احساس سے دور رہ کر، کوئی عمل نتیجہ کے اعتبار سے کامیاب نہیں ہوتا، اسلامی تعلیمات میں اس نقطہ پر خاص طور سے توجہ دی گئی ہے، زندگی میں عمل کے عنصر کو بہت اہم بتایا گیا ہے، یہاں تک کہ اگر عمل کی مقدار بہت کم ہو اور وہ صرف ذرہ کے برابر ہو تب بھی اس کا نتیجہ سامنے آئے گا، اگر عمل بہتر اور انسانی زندگی کی صلاح وفلاح کے لیے کیا گیا ہو تو اس کا بہت اچھا بدلہ ملے گا، اور اگر اس کے برعکس ہو، لوگوں کو نقصان پہونچانے اور برا سلوک کرنے کے لیے کیا گیا تو اس کا برابر بدلہ مل کر ہی رہے گا، قرآن کریم میں ہے کہ: ''جو آدمی ذرہ کے برابر اچھا عمل کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا، اور جو آدمی ذرہ کے برابر برا عمل کرے گا وہ اس کی سزا بھگتے گا، علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انسانی فطرت عمل اور محنت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، اس لیے کارخانۂ عالم کا نظام صحیح اور بامقصد عمل کے ساتھ وابستہ ہے، انسانی سماج میں جب کوئی عمل خطرناک غلط رخ اختیار کر لیتا ہے تو اس کی چولیں ہل جاتی ہیں، اس کا اجتماعی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے اور اس سماج کو طرح طرح کی مشکلات اور مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، آج کہیں بھی کسی انسانی معاشرہ میں یہ صورت حال موجود ہو تو اس کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ عمل کا ڈھانچہ احساس ذمہ داری اور مقصدیت کی روح سے خالی ہوگیا ہے۔

یہی وہ روح ہے جو جوش عمل کو ایثار کے جذبہ سے جوڑتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں سماج میں ہر سطح پر عمل اور ایثار کی ایک ہوا چل پڑتی ہے، تعاون کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، خوشحالی اور ترقی کی شاہ راہیں کھل جاتی ہیں اور تقدیر کا رونا رونے کے بجائے جوش کردار سے پوری قوم سرشار نظر آنے لگتی ہے۔

جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

عمل کے ساتھ ایثار کی ہم آہنگی ایک بہترین عمل اور ایثار کی بہترین صلاحیتیں بیدار کرتا ہے اور ایک خوشحال معاشرہ تعمیر کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، بعض دفعہ یہ دیکھا گیا ہے کہ سماج پر ایک جمود اور مایوسی کی کیفیت طاری ہے، لوگ شکست خوردگی کے احساس میں مبتلا ہیں، عمل کا جذبہ بڑی حد تک سرد پڑ چکا ہے، اور اس کے نتیجہ میں غریبی اور احساس کمتری اور دوسری خرابیاں جڑ پکڑ رہی ہیں کہ اسی اثنا میں پردہ غیب سے کوئی باعمل، محنتی اور احساس ذمہ داری سے بھرپور انسان ظاہر ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے پورے ماحول کو بدل کر رکھ دیتا ہے، اور معاشرہ کے مردہ جسم میں سرگرمی اور احساس ذمہ داری کی روح پھونک دیتا ہے۔

ایثار کے معنی ہیں ترجیح دینا، یعنی اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا، اور اپنی ضرورتوں کو پیچھے رکھ کر دوسروں کی ضروریات کو مقدم کرنا اور ان کا خیال کرنا، ایثار ایک ایسی عظیم الشان اخلاقی صفت ہے، جس کے ہوتے ہوئے سماج ہر طرح کے انتشار اور شکست وریخت سے محفوظ رہتا ہے، تعاون کی نئی راہیں کھلتی ہیں، محبت واعتماد کی فضا رواج پاتی ہے، اتحاد پیدا ہوتا ہے اور ہر فرد دوسرے کو اپنا تعاون پیش کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ایسی صورت حال کسی سوسائٹی اور قوم کو بلندی پر پہونچانے کے لیے بالکل کافی ہے، ایثار کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے رسول اسلام نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے ایمان میں اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ہدایت کی آخری کتاب قرآن کریم نے اس اخلاقی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونا پسند کیا تھا، فرمایا گیا کہ وہ لوگ اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ کتنے ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں، چونکہ ایثار سخاوت کی ایک بہت اونچی قسم ہے اور اس میں دوسروں کی ضرورت اور حالات کو مقدم رکھنا ہوتا ہے، اس لیے تاکید کردی گئی کہ بخل کی عادتوں سے دور رہنا ضروری ہے اور کہا گیا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے محفوظ رہیں گے وہی کامیاب ہیں۔

اخلاقی قدروں کو صیقل کرنے کے لیے عمل اور ایثار کی بڑی اہمیت ہے، یہ دونوں ہی پہلو اس قدر ضروری ہیں کہ کام اور زندگی میں خوشحالی کی تکمیل اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ افراد اپنی اپنی عملی ذمہ داریوں سے عہد برآمد نہ ہوں، اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ان کے دلوں میں نہ ابھرے، وہ صرف اپنی ذات اور خاندان کو خوشحال کرنے میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں، بلکہ وہ اجتماعی طور پر خوشحالی کی تمنا رکھتے ہوں، پوری قوم اور پورے ملک کو خوش حال اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہوں، ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں کا صفایا کرنا چاہتے ہوں، جہالت اور مریض ذہنیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں کرتے ہوں ایسے میں لوگوں کی جہد وجہد کا محور، عمل اور ایثار اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ قرار پاتا ہے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں عمل اور ایثار کا بہترین نمونہ اسی وقت نظر آتا ہے جب مہاجرین اور انصار میں بھائی چارگی کا رشتہ قائم ہوا، مہاجرین کے پاس کچھ نہیں تھا تو انصار نے ان کے لیے کام کی راہیں بھی کھولیں اور اپنے مال ومتاع میں ان کو پوری طرح شریک کیا، یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے کر اپنے دوسرے بھائی کی ازدواجی زندگی کا انتظام کیا، تجارت، مکان، باغات اور ہر چیز میں انصار نے مہاجرین کو زیادہ سے زیادہ حصہ دیا، دوسری طرف مہاجرین نے عمل اور محنت کے پہلو کو پیش نظر رکھا اور پوری طاقت کے ساتھ وہ اپنی محنت وعمل والی زندگی میں مشغول ہوگئے، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی وہ صاحب تجارت وجائداد بن گئے، اور ایک بہترین مثالی معاشرہ وجود میں آیا، جہاں عمل اور ایثار کی حکمرانی تھی۔

یہ عمل اور ایثار کی ہم آہنگی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی جو قومیں پس ماندگی، غربت اور جہالت کی ذلتوں میں مبتلا تھیں، وہ اس راز سے واقف ہوتے ہی بہت تھوڑی مدت میں دنیا کی ترقی یافتہ اور زندگی کے ہر میدان میں قابل تقلید قوموں میں شمار ہونے لگیں، ہر عمل کی قابل لحاظ وسعت مقصد کی بلندی کے ساتھ وابستہ ہے، اگر عمل ہو اور ایثار کا جذبہ نہ ہو، یا ایثار کا جذبہ ہو اور عمل مفقود ہو تو ترقی کی روح ہمہ جہتی اور بے لوثی صفات سے خالی ہوگی، ایسی صورت میں ہمہ گیر اور تیز رفتار اجتماعی ترقی اور خوش حالی کا تصور مشکل ہوگا، زندگی مختلف النوع مسائل سے خالی نہیں ہوسکتی اور روح کی تسکین کا سامان اس زندگی میں بہت کم ہوگا۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے اندر عمل اور ایثار کا جذبہ ابھرے اور ہم ان دونوں پہلوؤں میں توازن برقرار رکھتے ہوئے ایک کو دوسرے سے ہم آہنگ کرسکیں، اسی میں ہماری ہمہ گیر ترقی کا راز مضمر ہے، اجتماعی عظمت اور قومی امتیاز کا نشان قائم کرنے کے لیے ہمیں وقت کے اس اہم ترین تقاضے کو پورا کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

ذرائع ابلاغ

اسلامی میڈیا کی عمومی خصوصیات

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہریؒ

۱-سچائی اور راست بازی

اسلامی ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی بنیاد سچائی وراست بازی پر ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا آغاز ہی صدق، امانت اور راست گوئی سے ہوا، اسی کو دلیل ورہنما بنا کر آنحضرتؐ نے کوہ صفا کی بلندی سے قبائل سے خطاب کیا تھا، آپؐ نے اسی صدق کی دولت سے مالا مال ہونے کی تصدیق جب کرالی تو پھر آپؐ نے دینی دعوت کے بنیادی اصول پیش فرمائے، ذوق ووجدان اور سلاست زبان اور صدق وصفا کے التزام کی پابندی کی دعوت اسلام کی بنیادی اور اولین دعوت ہے، سورہ زمر میں ہے: "وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ اور فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ" آنحضرتؐ نے جب اپنے صادق و امین ہونے کی شہادت دلوادی تو پھر آپؐ نے دینی دعوت پیش فرمادی، اس لیے کہ اگر کسی کے بارے میں ایک بار بھی جھوٹ کا تجربہ ہوجاتا ہے تو پھر اس پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔

ایسے وقت میں جب کہ بیکاری کی سیاست کا بول بالا اور ہر طرح جھوٹے پروپیگنڈے اور مکر وفریب کی حکمرانی ہے، تنہا اسلامی میڈیا سے ہی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہر حال میں میں حقیقت شناسی اور راست بازی سے کام لے گا، اور خواہ حقائق کتنے تلخ ہوں انھیں پیش کرکے ان لوگوں کو امن وامان کے ساحل سے ہمکنار کرے گا جو جھوٹے پروپیگنڈہ کے تنکے پر بیٹھے طوفان بلا خیز سے کھیلنے کی سعی نامراد کررہے ہیں۔

۲-پاکیزہ اور بلند مقاصد

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ نے جن مقاصد کے فروغ اور نشر و اشاعت کو اپنا نصب العین بنالیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: مختلف انسانی طبقات اور قوموں کے درمیان عداوت اور کینہ ونفرت واختلافات کو ہوا دینا، دولتمندوں کے خلاف مفلسوں اور محتاجوں کو ابھارنا، اکثریت کو اقلیت کے خلاف اور اس کے برعکس اقلیت کو اکثریت کے خلاف مشتعل کرنا، قومی وعلاقائی عصبیت اور جاہلی نعروں کو فروغ دینا، اپنے اسلحہ کو فروخت کرنے اور اپنے جنگی اسلحہ ساز کارخانوں کو مصروف کار رکھنے اور زیادہ سے زیادہ پیسے سمیٹنے کی خاطر مختلف قوموں اور دو پڑوسیوں کے درمیان جنگ کا بگل بجانا، اور جنگی فضا پیدا کرنا تاکہ دنیا تباہ اور ان کا ملک آباد وخوشحال ہو، یہ میڈیا اپنی حکومتوں کی آنکھوں کے شہتیر کو نظر انداز اور اپنی غلطیوں اور برائیوں پر دبیز پردے ڈالتا ہے، دوسرے ملکوں کی آنکھوں کا تنکا اس کو شہتیر اور رائی پر بت نظر آتا ہے، ہر فحاشی وبدکاری کی سرپرستی میں پیش پیش رہتا ہے، ملحدوں، بے دین عناصر کی سرپرستی، ان کا دفاع، معاشرہ کے شیرازہ کو بکھرنے اور اس کو انتشار وانارکی کی راہ پر ڈالنے میں سرگرم رول ادا کرتا ہے، چند ٹکے کے عوض اپنے ایمان کا سودا آسانی سے کرلیتا ہے، اور معمولی سکوں کے بدلے ناحق خون بہانے، کردار کشی، حقائق کو مسخ بلکہ ان کو پیروں تلے روندنے اور اصول ومبادی حتی کہ عقائد تک سے دستبردار ہونے کے لیے تیار رہتا ہے، اس کے برعکس اسلامی میڈیا وسیع تر انسانیت کے مفاد و مصالح کا محافظ، او رامن وسلامتی اور معاشرہ انسانی کے شیرازہ کو یکجا کرنا اس کا بنیادی مقصد ہوتا ہے، صحیفہ آسمانی (قرآن مجید) کے پیش کردہ لازوال وابدی حقائق اور فطرت اور عدل و انصاف پر مبنی تعلیمات، روشن وتابناک شاہراہ حیات کی طرف ہمیشہ رہنمائی کرتا ہے، اس کی بنیادی خصوصیت تعمیر ہے نہ کہ تخریب، معاشرہ کو برائیوں سے محفوظ رکھنا ہے نہ کہ اس کو بے یقینی و انتشار کی راہ پر ڈالنا، تقویٰ اور خیر کا وہ داعی ہوتا ہے، لوگوں کی عزت کے درپے ہونا، ان کی پردہ دری، ان کے حقوق کو غصب نہ کرنا، نہ معصوم وبے گناہ انسانوں کی عزتوں سے کھیلنا اس کا شیوہ اور نہ پستیوں اور ذلتوں کے کیچڑ میں اترنا اور اپنے کو ان سے ملوث کرنا اس کا وطیرہ ہے، اس کے عقیدہ کی بنیاد قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا"، اور "إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ".

اسلامی میڈیا ہر فضیحت ورسوائی کے پیچھے دور رٹا نہیں تا کہ سنسنی خیز اور ہیجان انگیز شاہ سرخیوں کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے، اور نہ ہی بغیر کسی تحقیق کے صرف افواہوں کی بنیاد پر ہر فاسق وفاجر کی خبریں نشر کرتا ہے، وہ کسی خبر کی اشاعت سے پہلے ہر طرح چھان پھٹک کر یہ دیکھ لیتا ہے کہ فرد اور معاشرہ پر اس کے عواقب ونتائج کیا مرتب ہوں گے، جو لوگ اخلاقی قدروں سے کھلواڑ اور بیہودگیوں اور برائیوں کی سرپرستی کرتے اور نوجوانوں کے سامنے برائیوں کو اچھا بنا کر پیش کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا، تفریحی پروگراموں، بے مقصد خبروں، لاطائل بحثوں اور لایعنی مقالات و مضامین کی اشاعت، مبالغہ آمیز خبروں، سنسنی خیز کہانیوں، جنسی وسفلی جذبات کو بھڑکانے والی تصویروں اور مضامین وہ شائع نہیں کرتا ہے، اور نہ ہی عوام وخواص، مرد وعورتوں کے جذبات اور عقلوں سے وہ کھیلنا پسند کرتا ہے، اسلامی میڈیا کا بنیادی مقصد افراد کی اصلاح اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل ہے۔

۳-اسلامی میڈیا کی ہمہ وقت بیداری ونگرانی

اسلامی میڈیا کی تیسری بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں موجود خرابیوں اور عیوب کو اپنی نگاہوں سے دیکھتا ہے، اور ان کی تفصیلات کو نوٹ کرتا ہے، اور ان کی تہ میں کارفرما اسباب ومحرکات کا پتہ لگاتا اور ان کا تجزیہ وتحلیل کرتا ہے، تا کہ حقائق تک رسائی ہو سکے اور ان سے سبق حاصل کیا جا سکے، میڈیا نام ہی ہے معاشرہ میں پائی جانے والی خرابیوں اور ان کی تہ میں کارفرما اسباب ومحرکات تک رسائی اور معاشرہ کی تعمیر وتشکیل میں رہنمائی، اور کی جانے والی جدوجہد کی نگرانی وپیروی کا، وہ یہ نہیں کرتا کہ شتر مرغ کی طرح حالات وواقعات سے آنکھیں بند کر لے، اور طفل تسلیوں، اور تفریحی پروگراموں اور کھیل کود کے ذریعہ عوام کو بہلانے کی کوشش کرے، جیسا کہ آج کل تیسری دنیا کے بیشتر ممالک کا عموما اور مسلم ممالک کا خصوصا افسوسناک حال ہے کہ اصل مسائل سے چشم پوشی، خرابیوں کو مجرمانہ حد تک نظر انداز کرنے کے لیے سستے قسم کے تفریحی پروگراموں سے لوگوں کو بہلایا پھسلایا جاتا ہے، انھیں تھوڑے وقفہ سے نئے نئے، دلکش نعرے دئے جاتے ہیں، اس کے برعکس اسلامی معاشرہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معاشرے کے ہر چھوٹے بڑے واقعات اور خبروں کا نوٹس بروقت لیا کرتے، جب بھی کوئی قضیہ پیش آتا، کوئی خبر یا افواہ ہوتی، آپ ان سے فوری طور پر حکمت عملی اور دانشمندی سے نمٹتے، آپ بڑی سرعت سے مسجد تشریف لاتے، الصلاۃ جامعۃ کا اعلان ہوتا، منبر پر تشریف لے جاتے، اور حمد وثنا کے بعد اس قضیہ یا خبر یا واقعہ کے متعلق پوری وضاحت فرماتے کہ لوگوں کے سامنے حقائق آفتاب کی طرح روشن ہو جاتے، صحاح ستہ بکثرت ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں، اس کے برعکس جرمن لیڈر گوئبلز (Goebbles) کی اس روش کو دیکھے جس میں اس نے خاموشی کی پالیسی کو ترجیح دی ہے، ایک امریکن اسکالر نے جرمن اخبارات کو گوئبلز کی طرف سے شائع ہونے والے رہنما بیانات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ پچاس ہزار بیانات اس کی طرف سے آئے، ان میں سے ایک چوتھائی بیانات میں اخبارات کو یہ ہدایت تھی کہ فلاں معاملہ میں خاموشی کی پالیسی اپنائی جائے، اس دور میں بھی تیسری دنیا کے میڈیا کا حال یہی ہے کہ وہ واقعات اور خبروں کو خوب پھلنے دیتے ہیں، حالانکہ اس معمولی حقیقت سے انھیں واقف ہونا چاہیے کہ حقائق کی عدم موجودگی میں جھوٹ کی فرماں روائی ہوتی ہے۔

سیرت نبویؐ کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک بار مدینہ طیبہ کے مسلمان ایک آواز سے خوفزدہ ہو گئے، لیکن انھیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس خوف وگھبراہٹ کا مرکز کدھر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس کی طرف توجہ فرمائی، خود آپ ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تا کہ حقائق سے واقف ہو سکیں، تھوڑی دیر کے بعد تشریف لا کر آپ نے لوگوں کو اطمینان دلایا کہ گھبرانے اور پریشان وخوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اطمینان رکھیں۔

اسلامی میڈیا جب کسی معاملہ یا قضیہ سے بحث کرتا ہے، تو وہ کسی ایک فریق کے خلاف یک طرفہ فیصلہ نہیں سناتا، بلکہ اس کی پالیسی افراط وتفریط سے الگ، اعتدال وتوازن سے متصف اور امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد میں ہوتی ہے، نہ ہی عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ان کو گمراہ کرتا ہے۔

اسلامی میڈیا مسائل ومشکلات سے آنکھیں

چرانے کے بجائے ان کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا ہے، اوران کا متوازن حل پیش کرتا ہے، وہ ان مسائل ومشکلات کا ہر قدم پر جائزہ لیتا ہے، نئے پیش آنے والے مسائل کی پیشگی یاد دہانی کراتا ہے، امت میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور انتشار واختلافات سے بچانے کی سعی کرتا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے ذریعہ انتشار کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلامی میڈیا مسائل ومشکلات سے باخبر کرنے کا نام ہے، نہ کہ ان کو الجھا کر تجارت کرنا، یہ حقیقت ہے کہ جو شخص بھی پیغام حق پہنچانا چاہتا ہے، اس کا مقصد تجارت نہیں ہے، وہ ہمیشہ اپنے پیغام کی رسائی کے نتائج پر نظر رکھتا ہے، وہ اپنی صدائے بازگشت سننے کا منتظر رہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ اس پیغام کو کس حد تک رسائی ہوئی ہے، اس کے مطلوبہ نتائج کہاں تک حاصل ہوئے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت جو ہدایات فرمائی تھیں، ان میں ہر رہنمائی کے بعد اس کے نتائج اور ان کی نگرانی کا بھی حکم دیا تھا، پہلے ان یمنیوں سے یہ کہنا، جب وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر یہ کہنا، اور یہ بھی مان لیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا، اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میڈیا کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مسائل ومشکلات سے تعرض کرنے کے بعد ردعمل دیکھے، اس کے بعد دوسرے مرحلہ کا آغاز کرے، پھر جب اس کی بھی تکمیل ہوجائے تو پھر وہ تیسرے مرحلہ میں داخل ہو۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

گزشتہ دنوں جن ممتاز فاضل اور کارگزار افراد وشخصیات نے وفات پائی ان میں ایک اہم نام مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی کا بھی ہے جن کا تعلق ہمارے لکھنؤ سے متصل ضلع بارہ بنکی کے ایک قصبہ زید پور سے تھا، جہاں وہ دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد درس وتدریس سے وابستہ ہوکر علاقہ ہی کے ایک مدرسہ میں خدمت انجام دی اور ساتھ ہی تبلیغی جماعت سے بھی جڑ گئے، کچھ مدت کے بعد مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین دہلی سے منسلک ہوگئے اور اسی مدرسہ کے لیے وقف ہوگئے اور صرف تدریس ہی تک اپنے کو محدود نہیں رکھا؛ بلکہ تصنیف وتالیف اور بحث وتحقیق کے کام میں بھی لگ گئے، کاشف العلوم میں ابتدائی، ثانوی اور عالی سب درجات میں پڑھایا اور آخر میں یہ سعادت حاصل کی کہ مدرسہ کے طلبہ کو اپنے قائم کردہ ادارہ "جامعۃ البنات الاسلامیۃ" کی عمارت میں بلا کر صحاح ستہ کا مکمل درس دیا اور ان کی یہ مشغولیت اس قدر بڑھی کہ صبح وشام رات دین ایک کردیا اور پھر ان کی طبیعت ایسی ناساز ہوئی کہ ان کو علاج کے لیے اسپتال لے جانا تجویز ہوا جہاں کچھ دن بیمار رہ کر انہوں نے مورخہ ۶ر رجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۸ر فروری ۲۰۲۲ء بروز منگل داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

جہاں تک ان کی علمی خدمات کا تعلق ہے تو ان کے متعدد کام لائق قدر ہیں، ریاض الصالحین پر کام کیا، "الأبواب المنتخبة من مشكوة المصابيح" جس کو حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ نے منتخب کیا تاکہ عرب جماعتیں اور علماء اس سے فائدہ اٹھا سکیں، اس پر بھی تحقیقی کام کیا اور "حیاۃ الصحابۃ" پر گرانقدر علمی کام کیا جو حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی معرکہ آراء تصنیف ہے، وہ جب اس پر کام کررہے تھے تو کچھ مدت ہمارے وطن رائے بریلی میں تکیہ شاہ علم اللہ بھی آکر رہے تھے اور بہت یکسوئی کے ساتھ اس علمی کام میں وقت گزارا اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے اہم مقامات پر رجوع کیا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ان پر شفقت بڑھ گئی اور پھر جب انہوں نے شاہین باغ اوکھلا دہلی میں بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے "جامعۃ البنات الاسلامیۃ" کی بنیاد رکھنے کے عزم کا اظہار کیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی چاہی تو تعلیمی نظام اور نصاب وغیرہ کی ترتیب کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر کاتب تحریر سے بھی رابطہ کیا اور دہلی کے سفروں میں مجھے بھی ان کے قائم کردہ ادارہ میں حاضری کا موقع ملتا رہا اور ایک جگہ سنگ بنیاد کی تقریب میں شریک کیا۔ دہلی کے اندر ایسے ادارہ کی ضرورت تھی جس کو انہوں نے اچھے اور معیاری انداز میں مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین اور نظام الدین کے تبلیغی مرکز سے وابستہ رہتے ہوئے پورا کیا۔

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کی وفات کے بعد جن سے ان کو بیعت وارادت کا بھی تعلق تھا اور ان کی انہیں بڑی شفقت حاصل تھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے اس تعلق کی تجدید کی اور اس کے لیے بھی اہتمام سے تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کا سفر کیا اور اس نسبت سے میرے ساتھ بھی محبت وتعلق کا معاملہ رکھا اور ان کی جو دینی خصوصیات تھیں ان کی قدردانی کے طور پر انہیں اجازت کا اہل سمجھا گیا، لیکن وہ اپنی منکسر المزاجی اور علمی کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے اس نسبت سے خدمت میں محتاط رہے۔ افسوس کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ☆☆☆

اصلاح و دعوت

ایمان والوں کی محبت کس سے ہو؟

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اہل ایمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو دونوں کو فائدہ ہوتا ہے، ان کے ایمان سے، ان کو ان سے فائدہ ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کا نظام اجتماعی رکھا ہے، مسجد میں آنے سے جو بہت سے فوائد ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کی ملاقات سے ایک دوسرے کو فائدہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ دونوں صلاحیتیں رکھی ہیں، متاثر بھی ہوتا ہے متاثر کرتا بھی ہے، آپ اگر اچھے آدمی کے ساتھ رہیں گے، تو اس کا اثر اچھا پڑے گا، اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے، تو حقیقت کا انکار کرتا ہے، فرمایا گیا ہے اسی لیے کہ بروں کی صحبت سے بچو، اور اچھوں کی صحبت اختیار کرو، اور مسجد میں آنے کی پابندی لگادی، اور جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اچھے نہیں ہیں جب اچھوں کے ساتھ رہیں گے، تو کچھ اچھائی آ ہی جائے گی، لیکن ہم لوگوں کا مزاج کچھ اس طرح کا ہوگیا ہے، کہ اپنی اجتماعی شکلوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں یہاں، اور آکر چلے جاتے ہیں، صرف آنا اور جانا ہی کافی نہیں ہے، ایک تو جماعت کی پابندی ہونی چاہیے، اور اس کے قواعد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے واقف ہوں ہم یورپی مزاج نہ بنائیں کہ اپنے سے مطلب، وہاں یہ ہے کہ ایک کمرہ میں بھی رہتے ہیں، لیکن ایک دوسرے سے بالکل جدا رہتے ہیں، ایک صاحب نے پوچھا وہاں کہ آپ کا لڑکا کتنا بڑا ہے؟ بولے معلوم نہیں کتنا بڑا ہے، لوگوں نے کہا عجیب بات ہے، سب تو بتاتے ہیں پانچ سال کا ہے، یا اتنے کا ہے، لیکن آپ نے خیال ہی نہیں کیا، کہا بات یہ ہے کہ میں نے اس کو کبھی چلتے ہوئے کھیلتے ہوئے دیکھا ہی نہیں، کہ وہ کتنا بڑا ہے، میں آفس جب جاتا ہوں تب سو رہا ہوتا ہے، اور جب آتا ہوں تب سو رہا ہوتا ہے، میں نے ہمیشہ سوتا ہوا پایا ہے اس کو، یہ اصلاً یورپین مزاج ہے، تو اس نے ایک طرف تو اپنے لڑکے کی بیگانگی دکھائی، حالانکہ لڑکا اللہ کی نعمت ہے، جب اللہ نے اولاد دی ہے، تو اس شخص کو چاہیے کہ اپنی اولاد کی فکر کرے۔

صورت حال الٹی ہوگئی

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ نے ان حقائق کی توفیق دی ہے، تو آپ کو تو یہ فکر ہونی چاہیے، اور درد ہونا چاہیے، ضرورتیں ایک دوسرے کی معلوم ہونا چاہیے، ورنہ کیا ہوگا، فائدہ یہ ہے کہ سب آئے آئے اور چلے گئے لیکن ایسے کس کو معلوم ہوگا کہ کس کو ضرورت ہے، اور کس کو نہیں، اور کون پڑھنا چاہتا ہے اور کون نہیں؟ معلوم ہونا چاہیے، لیکن بے گانگی بہت بڑھتی جارہی ہے، اگر یوں کہہ لیں کہ جانور بنتے جارہے ہیں، تو غلط نہیں ہوگا پہلے لوگ جانور ہوتے تھے تو انسان بنتے تھے اب انسان سے جانور بنتے ہیں، بالکل ہر چیز الٹی ہوگئی ہے، پہلے بوڑھے لوگ اچھے ہوتے تھے اب اچھے لوگ بوڑھے ہوگئے ہیں، عجیب وغریب صورت حال ہے، اور یہ اطلاع بھی آپ کو آتی ہے کہ اچھے کام کرنے سے برے ہوگئے نمازی تھے نماز چھوڑ بیٹھے، اور بہت سے خیر کے کام کرلیتے تھے وہ بھی چھوڑ بیٹھے، تو یہ جو کام ہیں یہ اس لیے کیے جاتے ہیں تاکہ جو الٹا ہے اس کو سیدھا کردیا جائے تو ظاہر ہے کہ اگر الٹے ہی چلتے رہے تو ایکسیڈینٹ ہوجائے گا، تھوڑا بہت چل سکتے ہیں جیسے گاڑی مڑائی جاتی ہے، اس لیے آپ دیکھتے ہیں آج کل ایکسیڈنٹ خوب ہوتا ہے اس کا مطلب کیا ہوا یعنی کسی کی غلطی نہیں اور آج اس الٹے چلنے کا نتیجہ سامنے ہے کہ بھائی بھائی کی نہیں بن رہی ہے، پڑوسی پڑوسی کی نہیں بن رہی ہے، نمازی نمازی کی نہیں بن رہی ہے، یہ جھگڑا اسی لیے ہے کہ فرائض میں کوتاہی ہے، اب جنت تو آگے ہی ہے، ہم لوگوں نے لیکن الٹا کردیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی گھر اس سے نہیں بچا ہوا ہے میری معلومات کے اندر، اور آپ سب بھی جانتے ہوں گے، اگر کسی خوش حال سے سکون کو پوچھ لیں تو یہی کہتے ہیں مولانا دور کے ڈھول سہانے، آیئے آپ کو بتاتے ہیں کیا ہے حقیقت؟ خدا را کوئی نسخہ بتا دیجیے، میں اس کو استعمال کرلوں گا۔

نوجوان نسل کہاں جارہی ہے؟

اس وقت سب سے اہم چیز دو ہیں، ایک کھیل کا میدان دوسرا ناچنے گانے کا، یہ دو ہوگئے ہیں، ہمارے نوجوان آج انہیں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، اور اس میدان میں دونوں کے دونوں داڑھی مونچھ کے کاٹنے والے ہیں، اور پوری رات روتے ہیں، صرف ایک گھنٹہ بے چارے ہنستے ہیں، یوں کہہ لیجیے دو گھنٹے ہنستے ہیں، اور بائیس گھنٹے روتے ہیں، اور یہ میں ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ پوچھ بھی سکتے ہیں آپ، اس لیے کہ جو کام کررہے ہیں وہ غلط ہے، اور غلط میں

یہ ہونا ہی ہے تو حرج تو ہوگا، گاڑی ڈس بیلنس ہوجائے گی، چکرائے گی اور جولوگ ان کی ظاہری خوشی کو دیکھ کر اپنے لیے مانگتے ہیں اگر اندر سے واقف ہوجائیں تو دور بھاگیں، لیکن آج کل پوسٹر کا زمانہ ہے، تو جس کو چاہیں جو بنادیں، چور کو کہیں کہ یہ اچھا ہے، اور اچھے کو کہیں کہ یہ چور ہے، تو یہ قیامت کی علامت میں سے ہے، حدیث میں آتا ہے کہ آخری دور میں ایسے حالات پیش آئیں گے کہ لوگ سچے کو جھوٹا کہیں گے اور جھوٹے کو سچا کہیں گے، امانت دار کو خیانت والا کہیں گے اور خیانت والے کو امانت دار کہیں گے، یہ قیامت کی علامت میں سے ہے، آپ دیکھ سکتے ہیں، اس وقت کہ جو اچھے لوگ ہیں، وہ بے چارے اپنے کسی کنارہ پڑے ہوئے ہیں۔

نظریہ درست ہو

ابھی میں ایک جگہ گیا تھا وہاں لوگوں نے بتایا کہ یہاں ہیرے بکتے ہیں، اور یہاں دھلائی ہوتی ہے، اس میں ہیرے بھی نکلتے ہیں، میں نے کہا ذرا دکھایئے، تو وہ بے چارے اس کی ڈبیا لے کر آئے، اور اس میں ہیرے چمک رہے تھے سفید سفید، تو کہا جتنا بڑا ہیرا جس کے ہاتھ لگ جائے اس کے مزے آگئے، کیونکہ یہ کم سے کم دس کروڑ کا ہے، کہ اگر وہ مل جائے تو آدمی خوشی ہی میں مرجائے، بس یہیں سے نقطۂ نظر بدل جاتا ہے کیونکہ دنیا کی حیثیت تو اللہ کے یہاں دس کروڑ کیا مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے، تو جو اللہ کے لیے کچھ کرتے ہیں ان کے لیے اس وجہ سے دونوں برابر ہیں، تو اب دنیا جو ہے وہ ہم پر اتنی حاوی ہوگئی ہے، کہ دین بھی ہمارا دنیا بن گیا اور پہلے کیا تھا کہ دنیا کو دین بناتے تھے اب دین کو دنیا بنتے ہیں، اس میں تو الٹا ہوتا ہی تھا اس لیے کہ دنیا جو ہے اللہ میاں نے فرمایا کہ دنیا بقدر ضرورت ہے، لیکن ہم نے اس کو بالکل الٹا کردیا، کہ آخرت بقدر ضرورت، اور دنیا ہی دنیا، تو کیا ہوگا؟

جب معاملہ الٹا ہوجائے

اس کی مثال ہے کہ انسان کو بھوک لگی ہے تو کھانا کھایئے، آرام کیجیے، لیکن ایک وقت آئے گا کھاتے کھاتے کہ اس سے زیادہ نہیں کھاسکیں گے، اور اگر زیادہ کھالیا تو قبض ہوجائے گا اور ساری خوشبو بدبو میں بدل جائے گی، تو ایسے ہی اگر دنیا میں زیادہ منہمک ہوگیا، اور بقدر ضرورت سے زیادہ لے گا تو اس کی حالت وہی ہوگی جو میں نے بیان کی اسی لیے سچے لوگ ایسے لوگوں کے پاس سے بھاگتے ہیں، کیونکہ ان سے بدبو آتی ہے، اب یہ ہونا چاہیے تھا کہ دنیا بقدر ضرورت، اور بقدر ضرورت یہ ہے کہ جو تھوڑا بہت اس کا حق بنتا ہے وہ ادا کردیجیے، اور ہمارا حال تو الٹا ہوتا چلا جارہا ہے۔

دنیا کی حیثیت

ضروت اس بات کی ہے کہ ہم ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھیں، تو دنیا جو ہے جو کہ مچھر کے پر برابر بھی نہیں ہے، یہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اور یہ بھی آتا ہے کہ اگر اس سے زیادہ بھی کچھ اور کسی درجہ کی حیثیت دنیا کی ہوتی تو نافرمانی کرنے والے کو اللہ میاں ایک گھونٹ پانی نہ دیتے، لیکن چونکہ دنیا کچھ بھی نہیں ہے، تو ناشکرے کو اللہ کی نافرمانی کرنے والے کو اللہ میاں ایک گھونٹ بھی پانی نہ پلاتا، لیکن دنیا تو کچھ بھی نہیں ہے، تو جیسے کسی کو پھانسی پر چڑھانا ہوتا ہے، تو اس سے پوچھتے ہیں کیا تمنا ہے تمہاری؟ اگر وہ کہتا ہے یہ کھانا ہے تو کردیا جاتا ہے، تو ایسے ہی کافر کو اللہ میاں دیتے ہیں، کیونکہ اس کو جہنم میں جانا ہے، یہاں جتنا کھانا ہو کھالے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایمان والے بندوں کا ایمان ڈانواڈول نہ ہوجاتا، تو میں کافروں کا گھر سونے کا بنوادیتا کہ عیش کرلو، اس کے بعد تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، لیکن آپ کی خاطر ایسا نہیں کیا گیا کہ تم اس کی چمک دمک کو دیکھ کر اس میں نہ الجھ جانا، تو اب اگر دنیا میں ہم جئیں گے تو دیکھنے میں مچھر کا پر چھوٹا ہوتا ہے معمولی ہے لیکن مچھر جب کاٹتا ہے تو اس سے ملیریا پیدا ہوجاتا ہے، تو مچھر گندی جگہوں پر ہوتے ہیں، ان کے کاٹنے سے ملیریا ہوتا ہے، اور اب جو ہے مچھر بھی ترقی یافتہ ہوگیا ہے آج کل A.C. گھرانے والے جو لوگ ہیں اور کولر جہاں ہوتے ہیں، تو اس میں پانی اگر رہ جائے تو اس میں مچھر پیدا ہوجاتے ہیں، اور وہ اگر کاٹتا ہے تو ڈینگو ہوتا ہے، تو اندازہ لگایئے کہ غریبوں کو جو کاٹتا ہے وہ ملیریا ہوتا ہے اور امیروں کو جو کاٹتا ہے وہ ڈینگو ہوتا ہے، یعنی جو کم درجے والے بیمار ہیں، وہ ملیریا کے بیمار ہیں، اور زیادہ والے ڈینگو کے بیمار ہیں، دونوں گئے کام سے، اور دونوں کو مچھر نے کاٹا، یعنی دنیا نے کاٹ لیا، غریب بھی دنیا میں پڑا ہوا ہے، تو وہ ملیریا میں مبتلا ہے، اور اگر امیر دنیا میں پھنسا ہوا ہے تو وہ ڈینگو کا بیمار ہے، اس لیے سب بیمار ہوتے چلے جاتے ہیں، اب جب تک ہم اپنے آپ کو صحیح سیٹ نہیں کریں گے یعنی دنیا دنیا کے اعتبار سے آخرت آخرت کے اعتبار سے۔

Balance برقرار رکھئے

قرآن مجید میں تو بہت بیلنس رکھا گیا ہے: "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً" [البقرۃ:۲۰۱] (اے اللہ دنیا اور آخرت دونوں اچھی کردے، جہنم کی آگ سے بچا دے)، اور بعض کے بارے میں کہا گیا ہے: "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ

خَلاق“[البقرۃ:۲۰۰] یعنی ہم کو دنیا میں ہی دنیا مل جائے رہی آخرت اس کا دیکھا جائے گا، یہ کہتے ہیں ہونا یہ چاہیے کہ دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی، اور قرآن مجید کہتا ہے: ”وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنيَا“[القصص:۷۷] (اپنے نصیب کو جو دنیا میں ہے اس کو نہ بھولو) تمہارا جو حصہ بن جاتا ہے، اس کو لو، لیکن بس اوور نہیں کرنا ہے، اوور لوڈ نہیں ہونا چاہیے، کھایئے جم کر لیکن زیادہ نہیں، تو ہونا یہ چاہیے کہ دنیا کو اس کے اعتبار سے اختیار کریں اور آخرت مدنظر ہو، آخرت اور دنیا کا بہت گہرا ربط ہے، ایسا نہیں ہے، آخرت جو ہے وہ دنیا کا مزرعہ ہے: ”الدنيا مزرعة الآخرة“ جو ہم یہاں بوئیں گے آخرت میں کاٹیں گے، یہاں کھیتی کرنی ہے، یہاں کھانا نہیں ہے، غلطی ہوجاتی ہے ہم سے، ہم چاہتے ہیں جو کچھ ہم یہاں کھیتی کریں سب کھالیں، تو جو یہاں کریں گے ویسا ہی اس کا نتیجہ آخرت میں ملے گا، تو ہماری فکر صحیح ہوجائے دنیا اور آخرت کے متعلق صحیح ہوجائے، تو ہمارا یہاں مرنا اور جینا بھی صحیح ہوجائے، اور ہمارا گھر جنت کا نمونہ ہوجائے، لیکن وہی کہ اب ہوتا یہ ہے کہ آدمی اب پینے کی جگہ بھی کھالیتا ہے اس لیے جو کھانے میں تنوع پیدا کیا جارہا ہے وہ اسی وجہ سے ہورہا ہے کہ آدمی کھاتے کھاتے تھک جائے، اور اچھی چیز ہو۔

صحابۂ کرامؓ کا حال

صحابہ کرام کا حال کیا تھا کہ کہتے تھے حضور کے زمانہ میں کھانے کو کچھ نہیں تھا، اللہ اکبر! یہ کیا ہے کہ ہمارے دسترخوان پر کئی کئی کھانے رکھے ہوئے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کبھی دو کھانے جمع ہی نہیں ہوئے، آپ اندازہ لگایئے کبھی دو عدد آپ کے دسترخوان پر جمع ہی نہیں ہوئے پوری زندگی میں اور کئی کئی مہینے کچھ بھی نہیں، اور کبھی بھی آپ کی زبان پر شکایت نہیں آئی، لیکن آج حال دیکھ لیجیے، کیا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا مجھے فاقہ کا تمہارے اوپر ڈر نہیں ہے لیکن مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر چھا جائے گی اور ہلاک کردے گی جیسا کہ اس نے اس پہلے کے لوگوں کو بھی کیا، دیکھنے میں تو بڑی خوشنما ہے لیکن جو اس میں الجھے گا بس وہ گرفتار ہوتا چلا جائے گا، ہاں جو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ رکھے گا جو رکھنا چاہیے تو پھر وہ ٹھیک رہے گا۔

سب سے بری اور اچھی جگہ کون ہے؟

اب ہوتا کیا ہے کہ یہ چیز اچھی لگ رہی ہے، یہ بازار یہ فلاں، لوگ جارہے ہیں شاپنگ کرنے اور اس کے بارے میں آتا ہے: ”شر البقاع الأسواق“ یعنی یہ شاپنگ مال سب سے بری جگہیں ہیں، اور سب سے اچھی جگہ مسجد ہے، تو اسی لیے آپ نے فرمایا سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس کا دل مسجد میں لگا ہو، وہاں گیا ہے شاپنگ کو لیکن دل مسجد میں ہے، اور ایک یہ ہے کہ گیا ہے مسجد میں لیکن دل شاپنگ میں ہے، دونوں میں فرق ہے، اسی لیے ہمارے حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددیؒ فرماتے تھے ایک صاحب سے پوچھا بتاؤ کیا چیز بہتر ہے؟ کیا یہ کہ تم باہر اور دل مسجد میں رہے یا یہ کہ تم اندرون مسجد اور دل باہر رہے؟ تو اس نے کہا جو خود باہر ہو اور دل مسجد میں ہو، اسی لیے یہ نفسیاتی بات ہے۔

گندے ملغوبے کو نکالیے

اس لیے یاد رکھیے اور ہر آدمی جانتا ہے کہ آنکھ کیمرہ ہے، کان رکارڈر ہے، اور زبان جو ہے جو کچھ تصویریں ہیں آپ نے دیکھا ہوگا موبائل سے کھینچ لیتے ہیں اور دکان سے جا کر نکال لاتے ہیں تو جو تصویر اندر آجاتی ہے، تو آپ بٹن دبائیں گے تو زبان سے وہی بات نکلے گی، جو کان سنے ہیں، تو اب کان میں صحیح چیزیں جائیں گی، تو صحیح زبان سے ادا ہوگا اور اچھی تصویریں ہوں گی، تو اچھی چیزیں سامنے آئیں گی، تو ہو یہ رہا ہے کہ جتنے شخص کرکٹ دیکھیں گے تو جتنے لوگ بیٹھیں ہیں اللہ مجھے معاف رکھے کہ جب وہ تصویریں دیکھتے ہیں کہ خوبصورت نوجوان کھیل رہے ہیں، تو وہ ذہن میں پیوست ہوجاتی ہیں، اور اسی بیچ میں ناچنے والے ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں بھی وہ چیزیں نظر آتی ہیں زبان پر، جب آپ کھڑے ہوتے ہیں تو وہی پوسٹر کی گندی تصویریں اور یہ ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں لوگ آتے ہیں اور علاج اس کے لیے پوچھتے ہیں، یہ کہ کیسے بچا جائے؟ ارے پہلے یہ دیکھنا تو بند کیجیے، اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنا شروع کیجیے تو اب اللہ والوں کی صورتیں دیکھئے ان کے پاس جا کر بیٹھئے ان سے جب محبت کریں گے تو ان کی صورت آئے گی، تو جو باتیں گندی سنی ہیں، ان کی جگہ پر اچھی باتیں کان میں ڈالئے، اچھی تقریریں سنئے، اور اچھی کتابیں پڑھوا کر سنئے، تو پھر ان کا وہ بدل ہوں گی، جیسے کیسٹ میں کوئی کتاب بھریں گے تو پہلی والی نکل جائے گی، یہ ہوتا ہے، اور اگر آپ نے ایک میں اچھی چیزیں بھریں، دوسری میں گندی چیزیں تو اس کو بھی اچھا بھرنا پڑے گا، جب ہوگا کام، جتنا وقت ان کو دیا ہے اس سے زیادہ ان کو دیجیے جتنا وہاں لگایا ہے اس سے زیادہ یہاں لگایئے تب جاکے وہ نکلے گا ملغوبہ جو اندر بھرا ہوا ہے، اور آپ کو اندر سے پریشان کرتا ہے جو بھی تصویریں ہیں یعنی گناہ بے لذت اس سے چلتے رہیے اور پریشان رہیے ہوتا کچھ بھی نہیں

ہے ، دیکھئے جو کمپنی والے ہوتے ہیں، وہ ان فلموں والوں کو بلا کر اپنی بنیان پہنا دیتے ہیں کہا اب لوگ خوب خریدیں گے تو سب خوب پہنتے ہیں، اسی کو دیکھ کر، یہ ہے محبت کی بات۔

اگر کسی اور سے محبت ہوئی

لیکن یاد رکھئے اگر محبت اللہ اور اس کے رسولؐ کے علاوہ کسی اور سے ہوگی تو روزِ محشر میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا، یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اس سے بڑی اور کیا ہوسکتی ہے، میں ایک جگہ گیا وہاں سب قسم کے لوگ تھے، میں نے کہا سب بڑے لوگ ہیں ، میں صرف ایک بات بتا دیتا ہوں کہ تمہارا دل کہاں ہے، تو اگر جھانک کر دیکھا جائے تو پتہ چلے کہ کسی کھیلنے والے کے ساتھ لگا ہوا ہے یا کسی ناچنے والے کے ساتھ لگا ہوا ہے یا ناچنے والی کے ساتھ لگا ہوا ہے، تو اب سمجھئے کہ حشر میں بھی انہی کے ساتھ ہوگا جن سے محبت ہے، کتنی خطرناک بات ہے، ہم نے کہا دل ہے لیکن دل دیا غلط جگہ، اللہ اور اس کے رسول کو ہی دل دینا چاہیے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہوتی، اگر کوئی غلط معاملہ پیش آجائے تو لوگ جوش میں آجاتے ہیں۔

محبت کا عالم

ایک شاعر گزرے ہیں، ان کے ہاتھ میں بوتل تھی، کسی نے پوچھا کہ جوشؔ ملیح آبادی کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کہنے لگے اس کے یہاں تو تک بندی ہی تھی، اس کو کیا کہا جائے؟ الفاظ بہت سے رٹ لیے ہیں جوڑتا چلا جاتا ہے، اور پئے ہوئے تھے پھر اس نے پوچھا جگرؔ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کہنے لگے گویّا ہے، بس اچھی گا لیتا ہے، اس میں کیا رکھا ہوا ہے، انہوں نے کہا علامہ اقبال کے بارے میں؟ تو کہا ارے کیسی باتیں کرتے ہو یہ سب پوچھنا نہیں چاہیے، تو ایک نوجوان نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بس پھر تو وہ نشہ بھول گیا، یہ وہ تھا جس کو لوگ بے ایمان سمجھتے تھے، لیکن سب کچھ چھوڑ دیا، اور کہا کمبخت! ایسی ناپاک محفل میں ایسے پاک انسان کا نام لیا کیسے تو نے؟ تو شراب کے نشہ میں محبت کا یہ عالم تھا۔

تو آج ایمان والے ہیں اور اسی کا درد رکھتے ہیں، ان کی حالت دیکھ لیجیے محبت کیا ہورہی ہے؟ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہورہی ہے، اور ایمان کو پامال کیا جارہا ہے، اور حضورؐ کی کیا حالت تھی کہ کچھ میسر نہیں تھا، اور ہمارا کیا ہے کہ سب کچھ ہوجائے، بالکل جانوروں والی زندگی ہماری ہوگئی ہے، تو سوچئے انجام کیا ہے، کتنا فرق ہوگیا اس زمانہ سے آج کے اعتبار سے اور غیر معمولی محبت تھی اللہ اور اس کے رسول سے کہ نام آتا تھا تو دل کانپ جاتا تھا، لیکن آج کل تو معاملہ ہی خراب ہوتا جارہا ہے۔

اگر محبت پیدا ہوجائے

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ایمان کی فکر کریں اور اپنے ایمان کی فکر اسی وقت ہوگی جب ہم اپنے ایمان کو صحیح لوگوں کے ساتھ وابستہ کریں، اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں، گندی چیزوں کے پاس جانا چھوڑ دیں، ورنہ پھر ہمارا مقام جہنم ہوگا، جن صورتوں سے محبت کریں گے ان کے ساتھ ہمارا حشر ہوگا ہم تو اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں، اور اس کے رسولؐ سے اور صحابہ کرامؓ سے اہل بیت سے اولیائے کرام سے اور پھر جو اللہ کے نیک بندے ہیں، ان کے لیے محبت ہونی چاہیے، اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرمائے گا وہ بہت بڑی چیز ہے، ہم لوگ اس کا تصور نہیں کرسکتے، اس لیے کہ ہم اتنے دور چلے گئے ہیں، کہ ہمارے ذہن میں باتیں ہی نہیں آتیں، اس وقت تو دین کی باتیں بس اوپر اوپر رہ گئیں ہیں، تقریر ہوگئی، تو بس بہت اچھی ہوئی، نہیں یہ کیا چیز ہے بھائی؟ ارے کرنے سے کچھ ہوگا، کہ ہم کو فکر پیدا ہو اس پر عمل کریں، تب تو ہے تقریر صحیح اور اگر یہ نہیں ہے تو سب ہوائی باتیں ہیں اور یہ سب ہوا میں تحلیل ہوجائیں گی اللہ کے یہاں اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔

مزے کو چکھنے کی ضرورت ہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر اس چیز کو پیدا کریں، اس کی لذت اتنی زیادہ ہے جس کو چکھنے پر ہی محسوس کیا جاسکتا ہے، ورنہ صرف کہنے سے تو ہمارے منہ میٹھے نہیں ہوجائیں گے، لیکن ایک منہ میں رکھ دیجیے تو کہنے کی ضرورت نہیں، آپ خود بولنے لگیں گے اب اس نے چکھا ہی نہیں جب نہیں چکھا تو کیا کہا جاسکتا ہے اگر ایک دفعہ اپنی زندگی میں چکھ لیں تو پھر بھاگے بھاگے خود ہی پھریں گے کہ ہم کو وہ ایمان کی دولت مل جائے اور حلاوت ولذت مل جائے وہ چاشنی مل جائے تو ہم سب بھاگے بھاگے خود ہی پھریں گے، لیکن اگر ہم کو وہ چیز ہی نہیں ملے تو جیسے کوئی نابالغ ہو وہ بلوغ کی لذت کیا جانے، تو آج کل کے لوگ دنیا میں لگے ہوئے ہیں ہم جیسے ان سب کا حال یہ ہے وہ بالغ ہوتے ہی نہیں ہیں، اور جو بالغ نہیں ہوگا وہ بلوغ کا مزا نہیں چکھے گا، اسی لیے دیکھئے کہ معمولی معمولی چیز میں لگے ہوئے ہیں اور آپ ہنس رہے ہیں، یہ کوئی چیز ہے، لیکن جو لوگ بالغ ہوجاتے ہیں تو اس کا مزا کچھ اور ہوتا ہے ایسے ہی آدمی ایمان

میں جب بالغ ہوتا ہے تو اس کو حلاوت ایمان کی ملتی ہے، لذت ملتی ہے، اور اس کا عالم ایسا عجیب ہوتا ہے کہ وہ بیان سے باہر ہے، تو وہ راستہ اپنانا پڑے گا جس سے یہ چیز مل سکے، اور اگر نہیں اپنائیں گے تو وہی صبح سے لے کر شام تک ایک پہاڑا ہے دنیا دنیا دنیا، ہوگا کیا انجام؟

یہ سب قربِ قیامت کی علامات ہیں

دنیا سے کوئی نکل نہیں سکتا، دنیا میں رہنا ہے اس لیے اس کے ساتھ بھی صحیح معاملہ کرے، ایک مثال ہے آپ نے مرغے کو کھانا کھلایا اور انجکشن لگایا تو وہ دبلے پتلے ہوگئے، ایسے ہی ہم بھی اگر نہ سمجھے تو ہم بھی لنگڑے لولے ہوجائیں گے اور اندر سے ایمان نکل جائے گا یہ بھی ایک آخری دور کی علامت میں ہے کہ "یظھر فیھم السمن" لوگوں میں موٹاپا آجائے گا، پہلے لوگ محنت کش ہوتے تھے وہ پتلے ہوتے تھے لیکن آج کی دوائیں ایسی چل گئی ہیں کہ ہر شخص پھولا ہوا ہے، یہ علامات قیامت میں سے ہے کہ راحت طلب ہوجائیں گے، عیش پسند ہوجائیں گے اور دیکھنے میں بڑے اچھے معلوم ہوں گے لیکن ایمان نہیں ہوگا اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ: "ما أعقله ما أحسنه" کیسی کیسی عمدہ باتیں کرتے ہیں اور کیسے عقل مند ہیں اور کیسی سوجھ بوجھ رکھی ہے لیکن اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا، تو فتنوں کی آندھیاں ہیں اور ایسی خطرناک ہوائیں چل رہی ہیں کہ اچھے اچھے اڑ جائیں گے اور برائی اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ اس وقت ہاتھی کا بھی پیر پھسل رہا ہے، اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے، سمجھ بوجھ کر کہ کیسا عقیدہ ہونا چاہیے؟ معاملات کیا ہونا چاہئیں؟ تعلقات کیا ہونا چاہئیں؟ اور اخلاق کس کو کہتے ہیں؟ یہ جاننا ضروری ہے، آج کل ہمارے اخلاق تو نفاق کا نام ہے کہ کوئی اور آیا تو واہ، آپ تو ہمارے ابو کے دوست ہیں اور یہ ہیں اور وہ ہیں لیکن اندر سے کہہ رہا ہے آپ بلاوجہ آئے، تشریف نہ لاتے تو اچھا تھا، یہ نفاق ہے، اخلاق نہیں ہے، بالکل عجیب چیز ہے، اندر جو ہے وہی باہر ہے باہر جو ہے وہی اندر ہے۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام یہ نہیں بلکہ یکسانیت پیدا کرتا ہے، اگر اندر کو بناتا ہے تو ظاہر کو بھی نکھارتا ہے، اس لیے کسی کے ساتھ ملمع سازی نہیں نفاق نہیں، اندر و باہر کی کچھ نہیں، اسلام تو انسانیت پیدا کرتا ہے، بس ہر شخص یہ جان سکتا ہے، کہ یہ ہمارا اسلام ہے، اور آج جو شخص جتنا پریشان ہے اتنا ہی بے ایمان ہے، یہ علامت ہے اس کو آپ دیکھ لیجیے اور اس میں یہ نہیں اپنا اور غیر یہ اسلام میں نہیں ہے، کوئی انسان بھی آرہا ہو تو آپ اس کا استقبال کریں ہمارا بھائی ہے کوئی بھی ہو اور اگر کسی نے لڑائی کی ہے تب بھی یہی ہونا چاہیے اور کوشش یہ کرنی چاہیے کہ آپس کی لڑائیاں اور انتشار ختم ہوجائے، دل میں کدورت نہ ہو، کینہ نہ ہو، کپٹ نہ ہو، ورنہ خود آپ اس آگ میں جلتے رہیں گے، اور فائدہ کچھ ہونے والا نہیں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بات کو سمجھیں، اور اس کے مطابق ہی اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ دنیا میں بھی ہماری بن جائے گی، آخرت بھی ہماری بن جائے گی، یہاں بھی مزا آئے گا، وہاں بھی مزا آئے گا، امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ایک جنت ہے، جو اس میں نہیں جائے گا وہ آخرت والی سے بھی محروم رہے گا، اللہ تعالیٰ یہاں کی بھی جنت دے دے، اور وہاں کی بھی جنت عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

مکتوبات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (جلد ششم)

مرتب: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل صفحات: ۴۴۰ قیمت: ۳۵۰/روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

آدابِ زندگی

آخری قسط

غیبت سے بچنے کا طریقہ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

میرے والد ماجدؒ کا طرزِ عمل

ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ عمل میں یہ چیز بارہا مشاہدہ کی، حالانکہ وہ انتہائی نرم خو آدمی تھے، غصہ تو نہ ہونے کے برابر تھا، ہر ایک کے ساتھ نرمی اور تحمل سے پیش آتے تھے، تواضع اور انکساری کے ساتھ ملتے، لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ اچانک کسی شخص پر چھوٹی سی بات پر شدید غصہ ہو جاتے، اب ظاہر بیں کو یہ دیکھ کر شبہ ہوتا کہ انھوں نے اس شخص پر زیادتی کی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے قلب پر وارد فرماتے ہیں کہ کس شخص کے ساتھ کس وقت کیا معاملہ کرنا ہے۔

ایک صاحب کو ڈانٹنے کا واقعہ

چنانچہ ان کا ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ ایک بڑے صاحب حیثیت پڑھے لکھے مشہور آدمی، والد صاحب سے ملاقات کے لیے آگئے اور بات کرنی شروع کی، ابھی دو تین جملے ہی کہے تھے کہ والد صاحبؒ نے ان کو شدید ڈانٹنا شروع کر دیا، میں بھی حیران ہو گیا کہ آج تک کبھی کسی کو اس طرح نہیں ڈانٹا، یہاں تک کہ ان سے یہ کہہ دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ، چنانچہ ان کو دفتر سے نکال دیا، آج تک میں نے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا، میں نے سوچا کہ یا اللہ یہ شخص تو کام سے گیا، اس لیے کہ نو تعلیم یافتہ آدمی ہے، کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہے، داڑھی بھی برائے نام ہے، اور حضرت والد صاحبؒ نے اس کو ڈانٹ دیا، اب ہمیشہ کے لیے یہ شخص متنفر ہو کر جائے گا، اسی آدمی نے بعد میں خود اپنی زبان سے مجھ سے کہا کہ مفتی صاحبؒ کی اس دن کی ڈانٹ نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی اور میرے اوپر اس ڈانٹ نے ایسا اثر کیا کہ میرا مرکز توجہ ہی بدل گیا۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہی اپنے نیک بندوں کے دلوں پر یہ القا فرماتے ہیں کہ کس کے ساتھ کس وقت کیا معاملہ کرنا چاہیے، کسی اللہ والے کے طرزِ عمل پر شبہ مت کرو کہ کسی شخص کو ڈانٹ رہے ہیں، کسی کو پھٹکار رہے ہیں اور کسی سے محبت سے پیش آرہے ہیں، کیونکہ معطی حقیقی اور مبدأ فیض تو اللہ تعالیٰ ہیں، شیخ تو ایک واسطہ ہوتا ہے، وہی شیخ کے دل میں ڈالتے ہیں کہ اس کی اصلاح کا کیا طریقہ مناسب ہوگا، ہر ایک کو ایک ہی نسخہ نہیں پلایا جاتا، اس لیے کبھی ان اللہ والوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

لہٰذا حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے ان طالب علموں کو یہ سزا دی کہ واپس بلخ جاؤ اور وہاں کا حوض ناپ کر آؤ، اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ ان کا علاج یہی ہے، ایک مرتبہ جب چوٹ لگ جائے گی تو ساری عمر کے لیے کارآمد ہو جائے گی، چنانچہ کارآمد ہو گئی، اور اس سے حضرت مرزا صاحبؒ نے ان کو یہ سبق دیا کہ تم زبان کو احتیاط سے استعمال نہیں کرتے، احتیاط ضروری ہے۔

پہلے سوچو پھر بولو

اور اس احتیاط کرنے کا طریقہ حضرت تھانویؒ نے یہ بتا دیا کہ پہلے سوچو کہ جو بات کہنا چاہتا ہوں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس میں حدود سے تجاوز تو نہیں ہے؟ اس میں جھوٹ تو شامل نہیں ہے؟ اس میں مبالغہ تو نہیں ہے؟ بے احتیاطی تو نہیں ہے؟

آج بہت سے فسادات اور جھگڑے صرف اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ایک شخص نے بے سوچے سمجھے ادھر کی بات ادھر کہہ دی، تحقیق کی نہیں اور صحیح طور پر یاد رکھا نہیں، بس اس ایک بات کی وجہ سے خاندان میں فسادات کھڑے ہو گئے، لہٰذا پہلے سوچو کہ کیا بات کہی گئی؟ کتنی مقدار میں کہی گئی ہے؟ اگر آگے نقل کرنی ہے تو بس اتنی ہی نقل کرو، اپنی طرف سے اس میں اضافہ نہ کرو۔

حضرت فرماتے ہیں کہ چونکہ زبان کو تو ہر وقت چلنے کی عادت پڑی ہوئی ہے، وہ رکنے کا تو نام نہیں لیتی، تو اب کس وقت کس طرح سوچے؟ حضرت فرماتے ہیں کہ ہر کام مشق کرنے سے ہوتا ہے، لہٰذا مشق کرو، اور شروع میں تو سوچنے کا خیال ہی نہیں آئے گا، لیکن سوچنے کا تھوڑا سا اہتمام کرو تو رفتہ رفتہ عادت پڑ جائے گی۔ اگر شروع میں سوچنے بھول جاؤ، تو جب یاد آئے اس وقت سوچو، پھر یاد آئے، پھر سوچو، اس طرح کرتے کرتے سوچنے کی عادت پڑ جائے گی۔ پھر

بے تکلف سوچنا آئے گا، اور سوچنے کے لیے کسی خاص اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ پھر جو بات نکالو گے بالکل درست نکلے گی، غیبت، جھوٹ اور دل آزاری سب سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے۔

غیبت کو جائز کرنے کے لیے نفس کی تاویل

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا:

''میرا نفس مجھے یہ تاویل سکھاتا ہے کہ تیری بھی تو لوگ غیبت کرتے ہیں، قیامت میں جب پکڑ ہوگی تو اپنے مغتابین (غیبت کرنے والوں) سے جو اجر ملے گا وہ اجر جن کی تو نے غیبت کی، ان کو دے دیا جائے گا''۔

[انفاس عیسیٰ، ص:۱۵۰]

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی کسی کی غیبت کرے تو اس کا اجر اس کو دے دیا جاتا ہے، ایک حدیث شریف میں آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: جس کی غیبت کی گئی، اس لیے میرے دماغ میں یہ بات آتی ہے کہ میری بھی لوگ غیبت کرتے ہیں اور میں بھی کرتا ہوں جو لوگ میری غیبت کرتے ہیں ان کا اجر مجھے ملتا ہے، میں دوسروں کی غیبت کرتا ہوں تو میرا اجر ان کو مل جاتا ہے، لہٰذا معاملہ برابر سرابر ہوگیا، اس لیے زیادہ پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس تاویل کا جواب

جواب میں حضرت والاؒ نے فرمایا:

اول تو یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ وہ اجر جو دوسروں سے ملا ہوا ہے، اس کے تدارک کے لیے کافی ہے، ممکن ہے کہ یہ دوسروں سے ملا ہوا اجر تمہارے ہی پاس رہے، اور خاص تمہارے اعمال کا اجر اہل حقوق کو ملے اور نجات کے لیے دوسروں کا اجر کافی نہ ہو، دوسرے اس سے قطع نظر کرکے مساوات کی کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے کہ تم کو کم ملے اور تم سے زیادہ لے لیا جائے تو تدارک کے لیے کیسے کافی ہوجائے گا؟

یعنی تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تمہیں جو اجر مغتابین سے حاصل ہوا ہے وہی دوسروں کے پاس جائے گا، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہاری نمازیں، تمہارے روزے، تمہاری تلاوت، تمہارا ذکر وغیرہ وہ سب تمہاری غیبت کے بدولت دوسروں کے پاس چلے جائیں اور دوسروں کا اجر تمہارے پاس آجائے، دوسرے تمہارے پاس مساوات کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ جتنا اجر تمہیں ملا ہے، اتنا ہی اجر دوسروں کے پاس جائے گا، ممکن ہے کہ تمہیں کم اجر ملے اور تم سے زیادہ لے لیا جائے۔

یہ سب شیطانی تاویلات ہیں

یہ سب شیطانی تاویلیں ہیں جو انسان کو غلط کاموں میں مبتلا کرنے کے لیے دل میں ڈالتا ہے کہ ایسا کرلو، اور اس طرح معاملہ سیدھا ہو جائے گا۔

اللہ بچائے، جب آخرت میں اجر وثواب کا معاملہ ہوگا اور اپنا اجر وثواب دوسروں کے پاس جائے گا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ کتنی زبردست دھوکے کی تاویل تھی، اچھے خاصے نیک اعمال کیے، نمازیں پڑھیں روزے اور تلاوت کے ساتھ رمضان المبارک گزارا، اعتکاف کرنے کی توفیق ہوئی۔

رات بھر جاگ جاگ کر عبادات اور نوافل ادا کرتے رہے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمال دوسروں کے قبضے میں جا رہے ہیں اور جو کچھ کیا کرایا تھا، وہ سب دوسروں کے پاس چلا گیا، اس وقت جو حسرت اور تکلیف ہوگی، اس کا کوئی علاج نہیں، لہٰذا یہ سوچنا کہ آخرت میں حساب برابر ہوجائے گا، یہ خیال اور سوچ درست نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

غیبت کا علاج ہمت اور استحضار

آگے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''غیبت'' ایک اختیاری امر ہے، اس کا طریق علاج ہمت واستحضار ہے، اور معین طریق یہ ہے کہ جب ایک بار ایسا ہوجائے ایک وقت فاقہ کرے۔

[انفاس عیسیٰ، ص:۱۵۰]

سب سے پہلے یہ فرمایا کہ غیبت اپنے اختیار سے ہوتی ہے کبھی بے اختیار نہیں ہوتی، اگر غیبت بے اختیار ہوتی تو حرام نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا کام حرام نہیں کیا جس سے بچنا انسان کے اختیار میں نہ ہو۔

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا

لہٰذا غیبت سے بچنا اختیار میں تو ہے البتہ اس سے بچنے کے لیے ہمت اور استحضار کی ضرورت ہے، یہ ہمت کرلے کہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا، زبان سے غلط بات نہیں نکالوں گا، اور اس بات کا استحضار کرے کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے، کتنا بڑا گناہ ہے، اس کے نتیجے میں اپنے اچھے اعمال دوسروں کے قبضے میں چلے جاتے ہیں، ان چیزوں کا استحضار کرے۔

غیبت پر اپنے نفس کو سزا دینا

آگے فرمایا کہ اس سے بچنے میں یہ چیز تعاون ہوجاتی ہے کہ آدمی یہ طے کرلے کہ اگر آئندہ ہوگی تو اپنے آپ کو یہ سزا دوں گا، حضرتؒ فرماتے تھے کہ وہ سزا نہ تو اتنی معمولی ہو کہ آدمی کو اس کی پرواہ ہی نہ ہو، جیسے میرے والد صاحبؒ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ جب ''علی گڑھ کالج'' قائم ہوا تو اس وقت یہ قانون تھا کہ تمام طلبہ کو نماز پڑھنا لازم ہے، اور نماز چھوڑنے پر جرمانہ مقرر تھا کہ جو طالب علم نماز چھوڑے فی نماز دو آنے ادا کرے، اب ہوتا یہ تھا کہ بہت سے طالب علم ایسے بھی تھے جو مہینہ بھر کا جرمانہ اکٹھا شروع میں جمع کرا دیا کرتے تھے، چونکہ جرمانہ ایسا تھا کہ اس کو ادا کرنے میں کوئی خاص مشقت نہیں تھی اس لیے اس جرمانہ لگانے سے کوئی فائدہ نہ پہنچا، جرمانہ ایسا ہونا چاہیے جس سے کچھ مشقت ہو اور وہ جرمانہ اتنا بھی سخت نہ ہو کہ آدمی اس کو برداشت نہ کر پائے اور پھر آدمی اصل عمل سے بھی جائے اور جرمانہ بھی جائے، لہٰذا جرمانہ درمیانہ درجے کا ہونا چاہیے۔

غیبت کرنے پر نفس کو فاقہ کرانا

لہٰذا کسی کے حق میں مالی جرمانہ فائدہ مند ہوتا ہے کہ جب کبھی مجھ سے یہ فعل سرزد ہوگا تو میں اتنے پیسے صدقہ کروں گا، یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن پر صدقہ کرنا بڑا شاق ہوتا ہے، کیونکہ اس سے بھی انسان کے نفس کو سزا ملتی ہے، اور جن لوگوں کو پیسوں کی پرواہ نہیں ہوتی، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے اوپر ایسا جرمانہ عائد کریں جس سے ان پر تھوڑی مشقت ہو، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے یہاں یہ جرمانہ بیان فرمایا کہ آدمی یہ طے کرلے کہ اگر مجھ سے غیبت ہوگی تو ایک وقت کا فاقہ کروں گا، کھانا نہیں کھاؤں گا، بلکہ بھوک ہڑتال کروں گا، آج کل لوگوں نے بھوک ہڑتال کا الٹا طریقہ نکالا ہے کہ جب دوسرے پر دباؤ ڈالنا مقصود ہوتا ہے تو لوگ بھوک ہڑتال کرتے ہیں، اگر دوسرا شخص دباؤ قبول نہ کرے تو بھوک کی وجہ سے مرجائے، یہ طریقہ درست نہیں، حضرت والا نے جو طریقہ بیان فرمایا ہے وہ انسان کے اپنے اوپر دباؤ ڈالنے کے لیے بیان فرمایا کہ میں اس لیے فاقہ کررہا ہوں تاکہ مجھ سے آئندہ غیبت سرزد نہ ہو اور جب کبھی غیبت ہوگی تو اپنے نفس کو فاقے کی سزا دوں گا، اور یہ فاقہ ایسی چیز ہے کہ اگر انسان اس پر عمل کرے تو چند دن میں علاج ہوجائے گا اور غیبت چھوٹ جائے گی۔

دوسروں کے عیوب ظاہر کرنے کا حکم

ایک صاحب نے حضرت والا سے سوال کیا کہ:

''بعض لوگ جو گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں، ان کے عیوب اور گناہ کو ظاہر کرنا غیبت ہے یا نہیں؟ نفس اس تاویل پر ہمیشہ آمادہ رہتا ہے، کہ ایسوں کے عیوب اگر لوگوں پر ظاہر نہ کیے جائیں تو لوگوں کو دھوکا ہوگا اور مسلمانوں کو دھوکہ سے بچانا ضروری ہے''۔ [انفاس عیسیٰ، ص:۱۵۰]

یعنی دوسروں کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ فلاں فلاں عیب میں مبتلا ہیں، اس عیب کی خبر لوگوں کو ہونی چاہیے تاکہ وہ اس سے دھوکہ نہ کھائیں تو آیا ایسے آدمی کی غیبت کریں یا نہ کریں؟ جن صاحب نے یہ سوال کیا تھا وہ ابھی نئے نئے اس طریق میں داخل ہوئے تھے اور اپنی اصلاح کے لیے حاضر ہوئے تھے اور ابتداء ہی تھی کہ انھوں نے یہ سوال کرلیا، چنانچہ حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ:

مبتدی شخص جائز غیبت بھی نہ کرے

''یہ سوال منتہی کے مقابل ہے، مبتدی کو جائز غیبت بھی نہ کرنی چاہیے''۔

یعنی جو مبتدی ابھی اپنی اصلاح کرانے کے لیے چلا ہے اور ابھی اس نے اصلاح کے لیے قدم بڑھایا ہے، ابھی تو اس کے نفس کی تہذیب ہونی ہے، اس کو چاہیے کہ وہ جائز غیبت بھی نہ کرے، یہ وہی بات ہے جس کو حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ نے ایک مثال سے سمجھایا تھا کہ جیسے ایک کاغذ کو ایک طرف موڑ دیا جائے، پھر اس کو اگر سیدھا کرنا ہوگے تو یہ سیدھا نہیں ہوگا، اس کے سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو الٹی طرف موڑو، جب الٹی طرف موڑو گے تو یہ سیدھا ہوجائے گا، اسی طرح انسان کا نفس بھی الٹی طرف مڑا ہوا ہے، اس کو ناجائز غیبت کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس عادت کو چھڑانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شروع میں جائز غیبت بھی چھوڑے، پھر یہ نفس سیدھا ہوجائے گا، اور آئندہ صرف جائز غیبت ہی سرزد ہوگی، ناجائز غیبت سرزد نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

تصویرِ وطن

ملک میں خودغرضی کا مانسون

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

جب سے الیکشن کا بگل بجا ہے، لگتا ہے کہ پورا ملک دو خانوں میں تقسیم ہوگیا ہے، ایک گاہک اور دوسرا بیوپاری، بولیاں لگ رہی ہیں، لگتا ہے کہ خودغرضی کا مانسون چھایا ہوا ہے، ہر شخص کو اپنی فکر ہے، یا اپنی پارٹی کی فکر ہے اور وہ بھی اس لیے کہ اس سے بھی لوگوں کے اپنے مفادات وابستہ ہیں، ملک کے بارے میں فکر کرنے والے، اس کو آگے بڑھانے والے اور سماج کو جو روگ لگ گئے ہیں ان کو دور کرنے کے بارے میں سوچنے والے شاید چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔

اس وقت خاص طور پر جس طرح فسطائی طاقتوں نے سر اٹھایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ خالص اپنے مفادات کے لیے ملک کے مفادات کو جس طرح بھینٹ چڑھانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، وہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال ہے، اگر خدانخواستہ ملک اسی رخ پر چلتا رہا تو اس سے ملک کی سالمیت واتحاد کے لیے بڑا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔

ملک کی طویل تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ایک پھولوں کا گلدستہ رہا ہے، مختلف افکار وخیالات کے لوگ یہاں رہے ہیں اور سب کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا ہے، اس ملک کا یہ امتیاز رہا ہے، یہ محبت وآشتی کی سرزمین رہی ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ جیسا اخلاق ومحبت کا پیکر یہاں پیدا ہوا، جس نے پورے ملک کو روشنی پہنچائی، آج بھی ان کا نام محبت واحترام کے جذبات کے ساتھ لیا جاتا ہے، مسلم حکمرانوں کی رواداری کی داستانیں آج کتابوں میں محفوظ ہیں، افسوس ہے کہ تاریخ کو بھی مسخ کرنے کی کوششیں جاری ہیں اور نصاب تعلیم میں بھی ایسی من گھڑت باتیں داخل کی جارہی ہیں جو دلوں کے درمیان دراڑیں پیدا کرنے والی ہیں، ضرورت دلوں کو جوڑنے کی تھی، جس سے انسانوں میں باہمی محبت و ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور کسی بھی ملک کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہاں کے باشندے آپسی ملاپ اور محبت کے ساتھ رہیں اور ان کی صلاحیتیں مثبت اور تعمیری کاموں میں استعمال ہوں، جس سے ملک کی تعمیر ہو، ورنہ آپس کی لڑائیاں ملک کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرنے لگتی ہیں، پھر اس کا سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے، ضرورت ہے کہ سب مل کر ملک کی تعمیر کریں، کرپشن کو دور کریں، امن وسکون کی زندگی جئیں اور جینے دیں۔

مذہبی آزادی یہاں کے قانون کا حصہ ہے، قانون کی بالادستی کسی بھی ملک کی سالمیت واتحاد اور تعمیر وترقی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، ورنہ لاقانونیت کے نتیجہ میں جو انتشار پیدا ہوگا وہ روکے نہ رک سکے گا۔

ہر فرد کو، ہر پارٹی کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے، اپنے مفاد کے لیے ملک کو کسی حیثیت سے بھی نقصان پہنچانا حقیقت میں اپنے کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، کشتی میں اگر کوئی سوراخ کرے، اس کو نقصان پہنچائے تو اس سے ہمارا وجود خطرہ میں ہے، آدمی تکلیف اٹھالے لیکن ملک کی حفاظت پر آنچ نہ آنے دے۔

ملک کے اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر اٹل بہاری واجپئی جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی عیادت کے لیے ندوہ آئے، تو حضرت مولاناؒ نے ان سے برجستہ یہی فرمایا کہ واجپئی جی! ملک کی فکر کیجیے، اس کشتی کو کمزور کیا جارہا ہے۔

الیکشن کے موقع پر ہر امیدوار کو صرف اپنی کامیابی نظر آتی ہے اور اس کے لیے وہ ایسے نامناسب ذرائع بھی استعمال کرتا ہے جو بعض مرتبہ ملک کے لیے ناسور ثابت ہوتے ہیں، خود غرضی کی یہ شکلیں اگر باقی رہیں تو یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔

سب کو اپنی ذات اور اپنی پارٹی سے بلند ہوکر سوچنا ہوگا اور سب سے پہلے ملک کے مفاد کو سامنے رکھنا ہوگا، ملک رہے گا تو سب رہیں گے، ہر ہر یہاں کا رہنے والا وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا کسی ذات سے، وہ یہاں کے لیے ایک انرجی کی حیثیت رکھتا ہے، خود اس کو بھی سمجھنا ہوگا اور اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہوگی اور دوسرے کو بھی یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ کسی کو بھی کمزور کرتا ہے تو وہ اس ملک کی ایک طاقت کو کمزور کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

تذکیر و موعظت

سفر معراج - اوج و کمال کا مظہر

مولانا محمد طارق نعمان

"سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی" [سورہ بنی اسرائیل] (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا)۔

اس آیت میں ایک ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو تاریخ انسانی میں نہ پہلے کبھی پیش آیا اور نہ آئندہ کبھی پیش آئے گا، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمولی واقفیت رکھنے والے لوگ بھی جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سخت مصائب و آلام میں گزری ہے، کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ پر نہ ڈھایا ہو، اخیر میں جب کوئی بس نہ چلا تو ان مشرکین نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے خلاف آپس میں یہ معاہدہ کرلیا کہ ان قبیلوں سے اس وقت تک کسی قسم کا کوئی تعلق، کوئی رابطہ، کوئی معاملہ نہیں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے ہمارے حوالے نہیں کریں گے، اس معاہدہ کے نتیجے میں ان دونوں قبیلوں کے تمام افراد (ابولہب کے علاوہ کہ وہ مشرکین کے ساتھ تھا) شعب ابی طالب میں محصور ہوکر رہ گئے، حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے، اس معاہدے کے نتیجے میں سامان خورد و نوش کی آمد معطل ہوگئی، لوگ پتے اور چمڑے کے ٹکڑے کھانے پر مجبور ہوگئے، بھوک سے بلبلاتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی سے باہر تک سنائی دیتی تھیں، یہ معاملہ پورے تین سال تک چلا، نبوت کے دسویں سال یہ معاہدہ جو خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں تھا' اللہ کے حکم کے مطابق کیڑوں کے ذریعے صاف کردیا گیا، قریش کے بعض دوسرے قبیلوں کے سرکردہ افراد نے بھی اس ظلم سے توبہ کرلی اور ان کے دل بھی محصورین کے لیے نرم پڑ گئے، اس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے گھر والے، دوست احباب جاں نثار صحابہ اور عزیز و اقارب شعب ابی طالب سے باہر آئے، اس واقعہ کے چھ ماہ بعد آپؐ کے چچا ابو طالب وفات پا گئے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کارِ دعوت میں بڑی تقویت حاصل تھی، اس حادثہ کے چند روز بعد ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں جو آپ کی بڑی غم گسار تھیں، ان مسلسل حوادث نے آپ کو نڈھال کردیا، مگر آپ ان حالات میں بھی دعوت دین کی ذمہ داری ادا کرتے رہے، مشرکین مکہ سے مایوس ہوکر آپ نے طائف کا رخ کیا، یہ شہر مکہ مکرمہ سے ساٹھ میل کی مسافت پر واقع ہے، آپ نے اس سفر کے دوران ہر قبیلے کو دعوت اسلام دی، لیکن کسی نے بھی آپ کی یہ دعوت قبول نہ کی، اس کے بجائے ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے باہر نکالنے کے لیے آوارہ لڑکوں کو پیچھے لگادیا، یہ بدنصیب لڑکے آپ پر آوازیں کستے اور پتھر برساتے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں جوتے جسم کے خون سے رنگین ہوگئے تھے۔

یہ تھے وہ حالات جن کے بعد واقعہ معراج پیش آیا، مشہور قول یہ ہے کہ اس دن رجب المرجب کی ستائیسویں تاریخ تھی، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک طرف آپ کو عزیز چچا اور محبوب بیوی کی جدائی کا دوہرا صدمہ تھا، دوسری طرف اپنے ہی ہم وطنوں کی طرف سے مسلسل انکار کی اذیت تھی، بات صرف انکار ہی کی نہیں تھی بلکہ آپ کو طرح طرح کی اذیتیں بھی پہنچائی جارہی تھیں، ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غموں سے نڈھال ہوکر اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی:

یا اللہ! میں تجھ ہی سے اپنے ضعف کا، اپنی بے بسی اور بے کسی کا اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ناقدری کا شکوہ کرتا ہوں، اے اللہ! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے، تو نے مجھے کس کے حوالے کردیا ہے؟ کیا کسی اجنبی بیگانے کے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرا مالک بنا دیا ہے، اگر یہ حالات تیرے غیظ و غضب کا نتیجہ نہیں ہیں تب مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تیری پناہ گاہ عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ اور وسیع ہے.....۔

یہی وہ لمحہ تھا جب رحمت حق کو جوش آیا اور اس نے طے کیا کہ جس قدر میرے بندے کو اس راہ تکلیف دی گئی ہے، میں اسے اتنی ہی عزت اور سربلندی عطا کروں گا اور اس کے سر پر عظمتوں کا تاج رکھوں گا، چنانچہ آپؐ کو اسرا و معراج کی عزت سے سرفراز کیا گیا اور ایسے مقامات کی سیر کرائی گئی جو منتہائے کائنات ہیں اور اس قدر ارفع و اعلا ہیں کہ ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیل کی رسائی بھی وہاں تک نہیں ہے۔

روایات میں ہے کہ ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر میں

آرام فرمارہے تھے، نیم خوابی کی سی کیفیت تھی کہ اچانک کمرے کی چھت میں شگاف ہوا اور اس شگاف سے حضرت جبرئیل امین چند فرشتوں کے ساتھ اترے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے، وہاں آپ کے سینہ مبارک کو شق کیا گیا اور آپ کے قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے دھوکر سینے میں رکھ دیا گیا اور اسے برابر کرکے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگادی گئی ہے، یہ مہر ختم نبوت کی محسوس کی جانے والی اور ظاہر میں نظر آنے والی ایک علامت تھی، اس کے بعد آپ کو سفید رنگ کے براق پر سوار کیا گیا، آپ کے پیچھے حضرت جبرئیل امین تشریف فرما تھے، راستے میں مختلف مقامات سے گزر ہوا، متعدد جگہوں پر اتر کر آپؐ نے نوافل بھی پڑھے، یثرب (مدینہ) وادی سینا، مدائن، بیت اللحم ان تمام مقامات کی نسبت انبیا کرام کی طرف ہے، آپ ان جگہوں پر کچھ دیر ٹھہرے اور نفل نماز پڑھ کر آگے کے سفر پر روانہ ہوئے، ان مقامات کے علاوہ کچھ افراد واشخاص کے پاس سے بھی یہ برق رفتار سواری گزری، راستے میں ایک بڑھیا ملی، اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز بھی دی، حضرت جبرئیل نے عرض کیا آپؐ اس کی طرف توجہ نہ دیں، یہ دنیا ہے، بوڑھی عورت اس کی مثل ہے جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دنیا کی عمر بس اتنی رہ گئی ہے جتنی اس بوڑھی عورت کی عمر، اسی طرح ایک بوڑھا شیطان بھی نظر آیا، اس نے بھی آواز دی، حضرت جبرئیل نے اس کے متعلق بھی یہی کہا اور بتلایا کہ یہ شیطان ہے، ان دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور اس سفر سے روکنا ہے، راستے میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے ملے جنہوں نے آپ کو سلام کیا، ان کے بارے میں بتلایا گیا کہ یہ لوگ جنہوں نے آپ کو سلام کیا ہے حضرت ابراہیم، حضرت موسی اور حضرت عیسی علیہم السلام ہیں۔

ان مقامات پر ٹھہرتی ہوئی اور ان اشخاص کے پاس سے گزرتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آسمانی سواری بیت المقدس پہنچی اور اس جگہ پر اس کو باندھ دیا گیا جہاں اس سے پہلے انبیائے کرام کی سواریاں باندھی جاتی تھیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصی کے اندر تشریف لے گئے اور تحیۃ المسجد ادا فرمائی، یہاں آپ کے استقبال کے لیے انبیائے کرامؑ پہلے سے سراپا انتظار اور دیدار کے لیے سراپا شوق بنے ہوئے تھے، مؤذن حضرت جبرئیل نے اذان دی، اقامت کہی گئی، صفیں ترتیب دی گئیں جبرئیل امین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑا اور نماز پڑھانے کے لیے آگے کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام انبیا کی امامت کی جو اس سے پہلے مبعوث ہو چکے تھے، اس نماز میں شرکت کے لیے آسمان سے فرشتے بھی نازل ہوئے، جبرئیل امین نے حاضرین سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے کرام سے ملاقات کی، ان حضرات نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، آخر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی، آپ کا خطبہ حمد سن کر جو نہایت جامع اور پر اثر تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باقی انبیا علیہم السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا انہی فضائل وکمالات کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے آگے بڑھ گئے ہیں، نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصی سے باہر تشریف لائے، اس وقت آپ کی خدمت میں تین اور ایک روایت کے مطابق چار پیالے پیش کیے گئے ایک دودھ کا، دوسرا شراب کا، تیسرا پانی کا اور چوتھا شہد کا، آپ نے دودھ کا پیالہ پسند کیا حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آپ نے دین فطرت اختیار کیا ہے، اگر آپ شراب کا پیالہ پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی، پانی کا پیالہ پسند فرماتے تو پوری امت غرق ہوجاتی، مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کے اس سفر کو سیرت کی اصطلاح میں اسرا کہا جاتا ہے، مسجد اقصی سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اسے معراج کہتے ہیں۔

اسرا کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں موجود ہے اور معراج کا ذکر سورۃ النجم کی آیات میں ہے، قرآن کریم میں اسرا اور معراج کا ذکر اختصار کے ساتھ ہے، روایات میں جو تواتر کے ساتھ صحابہؓ سے منقول ہیں، ان کی مکمل تفصیلات ملتی ہیں، دونوں واقعات ایک ہی رات میں مختصر وقفے کے اندر بہ حالت بیداری پیش آئے، بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے تو غلط نہ ہوگا، مسجد اقصیٰ میں قیام سفر کے دوران کسی منزل پر کچھ دیر رک کر آرام کرنے کا وقفہ تھا، یہاں سے یہ قافلہ آگے بڑھا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے سفر میں بھی آپ براق پر تشریف فرما ہوئے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ سے باہر تشریف لانے کے بعد آپ کے لیے زبرجد اور زمرد کی ایک سیڑھی لٹکائی گئی جس کے ذریعے آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور براق وہیں مسجد اقصی کے پاس بندھا رہا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے

آسمان پر پہنچے تو حضرت جبرئیلؑ نے دروازہ کھلوایا، آپ کے لیے فرشتوں نے مرحبا کہہ کر دروازہ کھول دیا، آپؐ اندر داخل ہوئے وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، آپؐ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے آپؐ کے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور دعا دی، اس وقت آپؐ نے دیکھا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، معلوم ہوا کہ دائیں جانب سعادت مند اور بائیں جانب بدبخت روحیں ہیں، دوسرے آسمان پر آپؐ کی ملاقات حضرت یحیٰ حضرت زکریا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سے ہوئی، آپؐ نے ان تینوں کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں پر آپؐ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، تمام انبیائے کرام نے آپؐ کو مرحبا کہا، ختم نبوت کی مبارک باد دی اور دعائیں دیں۔

انبیائے کرام سے آسمانوں پر ملاقات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، یہ ساتویں آسمان پر بیری کا ایک درخت ہے، اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے، اسے سدرۃ المنتہیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمین سے جو چیزیں اوپر جاتی ہیں، وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں، پھر وہاں سے اوپر اٹھائی جاتی ہیں، اسی طرح جو چیز اوپر سے نیچے آتی ہے وہ بھی سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر رک جاتی ہے، پھر نیچے اترتی ہے، اسی آسمان پر آپ کے سامنے بیت معمور ظاہر کیا گیا، اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے، بیت معمور فرشتوں کا قبلہ اور کعبہ ہے، ٹھیک خانہ کعبہ کے اوپر واقع ہے، فرشتے ہر دن اس کا طواف کرتے ہیں، سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے حضرت جبرئیل امین کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاوَىٰ" [النجم] (سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اس کے قریب جنت الماوی ہے)۔

یہاں سے آپ کو جنت کی زیارت کرائی گئی اور اس کے بعد جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ لے جایا گیا جہاں صریف الاقلام کی آواز سنی جا رہی تھی، یعنی وہ آواز جو قلم سے لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے، گویا یہ جگہ وہ تھی جہاں فرشتے قضا وقدر کے خدائی فیصلے لوح محفوظ پر لکھنے میں مصروف تھے، صریف الاقلام سے گزر کر آپ تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے بارگاہ رب ذوالجلال میں پہنچے اور اتنے قریب ہوئے کہ اللہ کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف دو کمان کا فاصلہ رہ گیا، اسی کو قرآن کریم میں اس طرح تعبیر کیا گیا ہے: "ثُمَّ دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ" [سورۃ النجم] (پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک)۔

یہ تفسیر صحابہ کرامؓ میں حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، تفسیر مظہری میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے، [معارف القرآن] جب آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچے تو بے اختیار سربسجود ہو گئے، اس وقت آپ نے حجاب کبریائی کے واسطے سے رب کائنات کے حسن بے مثال کا یعنی نور اعظم کا مشاہدہ کیا اور براہ راست کلام الٰہی کے سامع اور مخاطب بنے: "فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ" [النجم] (پھر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ کہ نازل فرمائی)۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں، واپسی کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد یہ نمازیں کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ بقرہ کی آخری آیات کا تحفہ بھی عطا کیا گیا، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کمال رافت ورحمت، لطف وعنایت، عفو ومغفرت اور فتح ونصرت کا ذکر فرمایا ہے، یہ آیات بہ شکل دعا امت کو اس تلقین کے ساتھ عطا کی گئی ہیں کہ تم ہم سے اس طرح مانگو ہم تمہیں عطا کریں گے۔

اس سفر میں آپ نے دجال کو بھی دیکھا اور داروغ جہنم کو بھی دیکھا جس کا نام مالک ہے، آپ کا گزر ایسے لوگوں پر بھی ہوا جن کے ناخن تانبے کے بنے ہوئے تھے اور جو ان ناخنوں کے ذریعے اپنے چہروں اور سینوں کا گوشت نوچ رہے تھے، حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں، ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے، معلوم ہوا کہ یہ سود خور ہے، ایسے لوگ بھی ملے جو ایک ہی دن میں بیج بھی بو لیتے ہیں اور فصل بھی کاٹ لیتے ہیں، اس کے بعد ان کی کھیتی پھر سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے، حضرت جبرئیل امین نے بتلایا کہ یہ لوگ راہ حق کے مجاہد ہیں، ان کے ایک عمل کا ثواب سات سو گنا ہوتا ہے، کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، اس عمل کے بعد ان کے سر پھر جوں کے توں ہو جاتے، یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا تھا، معلوم ہوا کہ یہ فرض نمازوں کی

ادائیگی میں سستی کرنے والے ہیں، کچھ لوگوں کی شرم گاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح جہنم کے کانٹے کھا رہے تھے اور پتھر چبا رہے تھے، بتلایا گیا کہ یہ لوگ زکوۃ نہ دینے والے ہیں، کچھ لوگوں کے پاس پکا ہوا گوشت بھی تھا اور کچا سڑا ہوا بھی، مگر وہ لوگ پکا ہوا گوشت کھانے کے بجائے کچا اور سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو اپنی عفیفہ اور منکوحہ عورتوں کے بجائے بدکار عورتوں کے ساتھ رات گزارتے ہیں، ایک لکڑی دیکھی جو قریب سے گزرنے والی ہر چیز کو روک کر اسے پھاڑ ڈالتی تھی، یہ امت کے ان افراد کی مثل تھی جو رہ زنی کرتے ہیں اور راستوں میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کو لوٹتے ہیں، کچھ لوگ سروں پر بھاری پتھر اٹھائے ہوئے ملے، ان میں اٹھانے کی طاقت نہیں تھی، اس کے باوجود وہ اس گٹھر میں لکڑیاں ٹھونس رہے تھے، یہ وہ لوگ تھے جن پر دوسرے کے حقوق ہیں، ان کے پاس دوسروں کی امانتیں ہیں، نہ وہ حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ امانتیں واپس کرتے ہیں، کچھ ایسے لوگ بھی ملے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے تراشے جا رہے تھے جب یہ کٹ جاتے پھر اپنی حالت پر واپس آجاتے، حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں جو لوگوں کو وعظ و نصیحت تو خوب کرتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے، جو لوگ یتیموں کا مال ظلم و تعدی سے کھا جاتے ہیں، ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منہ میں پتھروں سے بڑے انگارے ٹھونس رہے تھے جو پاخانے کے راستے سے باہر نکل رہے تھے۔

جس شان اور اعزاز کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے، اسی طرح واپس تشریف لائے، مسجد اقصیٰ سے براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے اگلی صبح جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کو اپنے سفر مسجد اقصیٰ اور سفر آسمان کی اطلاع دی تو وہ ہنسنے لگے، انہوں نے کہا کہ ایسا ممکن نہیں ہے، جو لوگ بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے انہوں نے آزمائش کے طور پر وہاں کی نشانیاں دریافت کیں اللہ تعالیٰ نے تمام حجابات اٹھا دیے اور بیت المقدس نگاہوں کے سامنے آگیا، جو بات بھی انہوں نے معلوم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دی، وہ حیران ضرور تھے، مگر ان کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی، اس لیے انہوں نے اس واقعے کی تصدیق نہیں کی، بلکہ آخر تک تکذیب کرتے رہے اور مضحکہ اڑاتے رہے، سفر کے دوران آتے جاتے آپ نے مکہ مکرمہ کے ایک تجارتی قافلے کو بھی دیکھا تھا جو شام سے واپس آرہا تھا، آپ نے بتلایا کہ اس قافلے کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اب مل گیا ہے، تین دن کے بعد اس قافلے کے لوگ سرزمین مکہ پر قدم رکھیں گے اور بھورے رنگ کا اونٹ قافلے میں سب سے آگے ہوگا، ایسا ہی ہوا، لیکن مشرکین کو تصدیق کرنی ہی نہیں تھی سو انہوں نے نہیں کی حالانکہ صداقت کی تمام نشانیاں موجود تھیں۔

معراج کا عظیم الشان واقعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خصوصی اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ ایزدی میں ایک بندے کا یہ عروج روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی تھا، ٹھیک اسی طرح جس طرح عام انسان سفر کرتے ہیں آپ نے بیت المقدس کا سفر کیا اور آسمانوں کی سیر کی، اگر یہ صرف خواب کا سفر ہوتا تو اس کا ذکر اتنے اہتمام کے ساتھ کیوں کیا جاتا، اس لیے کہ خواب تو ہر انسان دیکھتا ہے اور اس سے بھی زیادہ محیر العقول چیزیں دیکھتا ہے، مشرکین مکہ نے تو الصادق المصدوق کے بیان کی تکذیب کی، لیکن روم کے بادشاہ ہرقل کے دربار میں جب اس واقعے کا ذکر ابوسفیان نے اس لیے کیا کہ بادشاہ یہ واقعہ سن کر مذاق اڑائے گا، ہوسکتا ہے بدظن بھی ہو جائے اور آپ کے پیغام کو واپس کر دے، اس موقع پر شاہ روم کے قریب بیت المقدس کا سب سے بڑا عالم موجود تھا، اس نے کہا کہ میں اس رات سے واقف ہوں، میری عادت یہ تھی کہ میں رات کو بیت المقدس کے تمام دروازے بند کرنے کے بعد گھر واپس جاتا تھا، اس رات بھی میں نے تمام دروازے بند کر دیے، ایک دروازہ بند نہ ہوسکا، بڑی کوشش کی ناکام رہا، ماہرین کو بلایا انہوں نے بھی تمام تدبیریں اختیار کیں، مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا، ہم اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے، صبح کو آئے، ذرا سی جنبش سے دروازہ بند ہو گیا میں نے دروازے کے قریب ایک چٹان پر دیکھا کہ اس پر ایک تازہ سوراخ بنا ہوا ہے جیسے کسی جانور کو کیل گاڑ کر باندھا گیا ہو، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج اللہ نے اس دروازے کو اس لیے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے۔

معراج کی حکمت کیا ہے؟ اس کا جواب خود قرآن کریم نے بہت اختصار کے ساتھ نہایت جامع طریقے پر ان الفاظ میں دیا ہے: "لِنُرِيَهُ مِنْ آيٰتِنَا" [سورۃ بنی اسرائیل] (تاکہ ہم آپ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلا دیں)۔

چنانچہ اس سفر میں جو معجزاتی طور پر رات کے ایک مختصر حصے میں واقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب و مقرب بندے پر وہ راز ہائے سربستہ منکشف کر دیے جو اب تک پردہ حجابات میں تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی تکوینی سنت ہے کہ وہ انبیا کرام کو کائنات کے اسرار پر مطلع کرتا ہے.....

.....بقیہ صفحہ ۳۲ر پر

تعارف وتبصرہ

مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

''مکتوبات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ'' کی چھٹی جلد ابھی ابھی زیور طباعت سے آراستہ ہو کر نظر نواز قارئین ہے، سابق نائب ناظم وناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب سے یہ کام جو ساتویں جلد تک ان کی حیات میں مکمل ہو چکا تھا، اور پانچ جلدوں کی طباعت ان کے سامنے ہو چکی تھی، اب اس کی ساتویں جلد زیر طباعت ہے، اور جلد ہی ان شاء اللہ وہ بھی قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

مرتب مکتوبات مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ جمع خطوط، خطوط خوانی اور ترتیب خطوط کا عمل انجام دیا ہے؛ بلکہ مکتوب الیہ شخصیات کی فنکارانہ طریقہ سے خاکہ نگاری بھی کی ہے، جس سے ان شخصیات کے بارہ میں قاری کو جامع انداز میں ضروری معلومات بھی حاصل ہو جاتی ہیں، کاتب و مکتوب الیہ کے درمیان تعلقات کی نوعیت کا کافی کچھ اندازہ ہو جاتا ہے اور بالآخر اس کو خطوط فہمی میں اس سے خاصی مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا محمد غزالی مرحوم کو لکھے گئے خطوط میں حضرت مولاناؒ کی طرف سے بار بار مولانا عبد الباری ندوی لکھنویؒ کی صحت وعلالت کا تذکرہ قاری کے لیے باعثِ تعجب ہوسکتا ہے؛ کیونکہ غزالی صاحب اور مولانا عبد الباری ندویؒ کے درمیان کوئی نسبی، علاقائی یا قرابت داری کا رشتہ نہیں ہے، لیکن مولانا غزالیؒ کے شخصی خاکہ سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ دورانِ قیام ندوۃ العلماء' مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریب تھے، اور ان کو ان کی خاص شفقت ومحبت حاصل تھی، اسی لیے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ غزالی صاحب کے خطوط میں دونوں کے مابین تعلق کا لحاظ کرتے ہوئے مولانا عبد الباری ندویؒ کے احوال کا اہتمام سے تذکرہ کرتے ہیں، یہاں سے ہمیں یہ نکتہ بھی ملتا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے خوردوں کے روابط وتعلقات کا بھی کس قدر لحاظ کرتے تھے، یہ خورد نوازی کی اعلیٰ ترین مثال ہے اور انسانی اقدار کا بے مثال نمونہ، اس طرح کے اور اقدار اور چھوٹے چھوٹے نکات جو شہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں' غور کرنے پر ہمیں جابجا ان کی مکتوبات کی سطور میں مل سکتے ہیں' جن کا جمع کرنا کسی کنز گرانمایہ کے حصول سے کم نہیں۔

مکتوب الیہ شخصیات کی خاکہ نگاری کے ساتھ مرتبؒ نے مکاتیب میں مذکور شخصیات کا بھی بہت عمدہ اور بہت ہی جامع تعارف حواشی میں پیش کیا ہے، جس کی خاص بات یہ ہے کہ مختصر ترین ہونے کے باوجود معنی خیز اور خط کا مفہوم سمجھنے کے لیے کافی وشافی ہے، حواشی میں اس کے علاوہ بھی مفید وضاحتی نوٹس تحریر کیے گئے ہیں' جن سے خط کا مضمون بھی واضح ہوتا ہے اور معلومات میں اضافہ بھی۔

مکتوبات کی یہ چھٹی جلد ۴۴۰ر صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں جن شخصیات کے نام خطوط ہیں' ان کی تعداد ۲۰ر تک پہونچتی ہے۔ ان میں سے جن کے نام مکتوبات نے کتاب کے زیادہ صفحات کا احاطہ کیا ہے' وہ یہ ہیں:

- مولانا عبد الجلیل قادریؒ: حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے مجاز ورفیق سفر وحضر، شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ نے آپ کے نام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خطوط ترتیب دے کر شائع کیے، اور مجالس حضرت رائے پوریؒ آپ کی نظرِ ثانی کے بعد شائع ہوئی۔

- مولانا محمد افتخار فریدی: جنہوں نے تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور اس کے بعد تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے تھے۔ آپ کے متعدد تحقیقی کام ہیں جن میں 'وصایا' خاص کام ہے، اور مختلف اکابر شخصیات کی وصیتوں کا مجموعہ ہے، آخر عمر میں آپ کو غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کے کام اور جذبہ کا غلبہ رہا۔

- ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو: جو اردو، عربی اور فارسی زبانوں کے ماہر اور رمز شناس ہونے کے ساتھ عظیم محقق ومؤرخ تھے، اور ہندو پاک اور عالم عرب کے متعدد اداروں کے اعزازی رکن اور خاص طور پر 'مجمع اللغة العربية، دمشق' کے رکن رکین اور شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق چیئرمین تھے۔

- مولانا سلطان ذوق ندویؒ: جو بنگلہ دیش کی اک عظیم اور مردم ساز شخصیت تھے، عربی

اردو اور زبان کے ادیب اور مصنف تھے، انہوں نے چاٹگام بنگلہ دیش میں 'جامعۃ المعارف الاسلامیہ' کی بنیاد رکھی اور اس کو ترقی دی، انہیں بنگلہ دیش کا 'علی میاں' بھی کہا جاتا تھا۔

-ڈاکٹر شاہ عباد الرحمان نشاط: جو ندوۃ العلماء کی مجلس نظامت و مجلس انتظامیہ کے رکن تھے، امریکہ و سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں شعبۂ انگریزی کے استاد رہے، اور ساتھ میں دینی خدمات انجام دیں۔

-نواب عزیز الٰہی خان حسن پوری: جو فضلائے علی گڑھ میں تھے، ایک مقبول صحافی ہونے کے باوصف 'ریڈی اینس' کے مدیر تھے، اور انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی انگریزی زبان کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

ان کے علاوہ مولانا مفتی عبد الرحیم لاج پوریؒ، ڈاکٹر صلاح الدین صدیقیؒ، ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنیؒ، صوفی محمد انیس اعظمیؒ، سید ظہور الحسن نقوی سہسوانیؒ، پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی، پروفیسر ظفر علی نقوی، مولانا قاری محمد قاسم انصاریؒ، مولانا محمد عمر علیؒ، مولانا عبد اللہ کاپودرویؒ، مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ، ڈاکٹر سید محمود قادری، مولانا قاضی محمد فاروق ندوی بھٹکلی اور مولانا محمد گزالی خطیبی ندوی کے نام خطوط اس جلد میں شامل ہیں۔

''مکتوبات ابو الحسن'' کی پہلی ۲ر جلدیں ابتداءً 'سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات' سے شائع ہوئی تھیں، پھر کل جلدیں 'مجلس تحقیقات ونشریات اسلام' لکھنؤ سے شائع ہوئیں۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۳۰ر کا

تا کہ وہ یقین وایمان کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ جائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: "وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ" [سورۃ الانعام] (اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: لِنُرِيَكَ مِن اٰيٰتِنَا الْكُبْرَى [طٰہٰ] (تا کہ ہم تمہیں اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھلائیں)۔

قرآن کریم اور احادیث سے بالکل واضح ہے کہ یہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا، کسی واقعے کا حیرت انگیز یا ناقابل یقین ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے، معجزہ کہتے ہی اس واقعے کو ہیں جو ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز ہو، یہ بھی ایک معجزہ تھا جس کی حقیقت تک انسان کی عقل نارسا نہیں پہنچ سکتی، رات کے مختصر وقفے میں اس طویل ترین سفر کو ناقابل یقین سمجھنے والے دور حاضر کے تیز رفتار راکٹ اور خلائی گاڑیوں کو سامنے رکھیں جو منٹوں سیکنڈوں میں انتہائی بلندی پر پہنچ کر سینکڑوں میل کی مسافت طے کر لیتی ہیں، سائنس داں آسمان کو نہیں مانتے، مگر کسی چیز کو نہ ماننا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، سائنسی انکشافات اور تجربات کا سفر جاری ہے، دوسری حقیقتوں کی طرح اس پر بھی نہ کبھی آسمانوں کے وجود کی حقیقت بھی منکشف ہوگی، ہم محدود عقل رکھنے والے سائنس دانوں کی بات کیسے مان لیں جب لامحدود عقل، علم اور قدرت رکھنے والی ذات نے اپنی کتاب عظیم میں جگہ جگہ آسمانوں کا ذکر کیا ہے، اگر کچھ لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے تو یہ ان کی کوتاہ عقلی ہے قرآن کریم کی حقانیت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ اس سے معراج کی صداقت متاثر ہوتی ہے۔

سفر معراج ہمارے لیے بھی معراج ہے اگر ہم آج نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کے مطابق زندگی بسر کریں۔

☆☆☆☆☆

مجلس صحافت ونشریات کی جدید و دیدہ زیب طباعت

فتاویٰ ندوۃ العلماء (جلد چہارم)

مکمل صفحات: ۴۱۶ قیمت: ۴۰۰ر روپے

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

موبائل نمبر 9889664104, 9415515578

ای میل: ahmadniyaz7893@gmail.com

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ۲۲ر رجب کو بعض جگہوں میں کونڈہ کا رواج ہے، بعض اہل سنت والجماعت بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس تاریخ کو حضرت امام جعفر صادقؒ پیدا ہوئے تھے، ان کے نام پر یہ رسم ہوتی ہے، کھانے پکوائے جاتے ہیں اور برائے ایصال ثواب فقراء میں تقسیم ہوتے ہیں، کیا شرع اسلامی میں اس کی کوئی اصل ہے؟

جواب: کونڈوں کی یہ رسم بے اصل ہے، کتاب وسنت اور سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ خلاف شرع ہے، ۲۲ر رجب کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی نہ تاریخ پیدائش ہے اور نہ تاریخ وفات، امام جعفر صادقؒ کی پیدائش ۸ر رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، مستند کتب تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے، البتہ ۲۲ر رجب کو حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی ہے۔

[تاریخ طبری: ج۶/ص۱۸۰]

جو لوگ اس دن مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں بظاہر ان کا مقصد حضرت معاویہؓ کی وفات پر خوشی منانا ہے، اس پر پردہ داری کے لیے حضرت جعفر صادقؒ کی یوم پیدائش کے جشن کا اظہار کرتے ہیں، مسلمانوں کو اس قسم کی چیزوں کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

سوال: مسلمانوں کا ایک طبقہ ۱۳ر اور ۲۷ر رجب کو روزہ رکھتا ہے اور ان کو باعث ثواب سمجھتا ہے، کیا شرع میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب: ماہ رجب کی مذکورہ تاریخوں میں روزہ رکھنے کی فضیلت پر بعض روایات ملتی ہیں لیکن یہ روایات محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں بلکہ بعض ضعیف اور بعض موضوع ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "ماثبت بالسنة" میں ان کو بیان کیا ہے اور موضوع بتایا ہے۔

[ماثبت بالسنۃ، ص/۱۸۵]

سوال: رجب کے مہینہ میں جمعہ کے دن بعض مسلمان میٹھی روٹی پکواتے ہیں، اور اس پر اکتالیس بار سورہ ملک پڑھواتے ہیں، یہ روٹی میت کی جانب سے صدقہ وخیرات کی جاتی ہے اور لوگ اس کو خوشی سے کھاتے اور مسجدوں میں تقسیم کرواتے ہیں، شرع اسلامی میں اس کی کیا حقیقت ہے، واضح طور پر بتائیں؟ اس روٹی پر قرآن پڑھنے کی اجرت لینا کیا جائز ہے؟

جواب: ایصال ثواب کی یہ صورت کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے، یہ چیز نہ صحابہؓ میں تھی اور نہ سلف صالحین کے ہاں، بلکہ لوگوں نے اپنے طور پر رائج کرلیا ہے، اس لیے اس رواج کو ختم کرنا ضروری ہے، اس پر قرآن کریم پڑھ کر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے۔

[مجموعہ رسائل ابن عابدین، رسالہ شفاء العلیل وبل العلیل: ج۱/ص۱۵۲]

سوال: ۲۷ر رجب کو عام طور پر مسلمان شب معراج سمجھتے ہیں اور اس رات کو وعظ وتقریر کے علاوہ نوافل نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں، اور اسے بے حد کار ثواب سمجھتے ہیں، کیا اسلامی شرع میں یہ درست ہے؟

جواب: ۲۷ر رجب کو شب معراج سمجھ کر وعظ و نصیحت کا اہتمام کرنا اور نوافل کا مخصوص انداز میں ادا کرنا، کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے، عام دنوں اور رات کی طرح اس رات میں بھی نوافل پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن تخصیص کے ساتھ اجازت نہیں ہے۔

[ماثبت بالسنۃ، ص/۱۹۱،۱۹۲]

سوال: شب معراج، شب برأت اور شب قدر میں مسجدوں کو پھول پتی سے سجانا کیسا ہے، اگر اس کا مقصد مسلمانوں میں ان راتوں کی اہمیت بٹھانا اور عبادات کا اہتمام کروانا ہو تو کیا شرع میں اس کی گنجائش ہے؟

جواب: شب معراج کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ملتی، البتہ شب برأت اور شب قدر کی فضیلت پر روایات موجود ہیں، ان راتوں میں نوافل پڑھنا، تلاوت کرنا، ذکر وتسبیح اور دعاء واستغفار کرنا درست ہے اور باعث ثواب ہے، لیکن پھول پتیوں سے مساجد ومجالس کو سجانے کی شرع میں اجازت نہیں ہے، اور نہ یہ اسلامی مزاج ومذاق سے میل کھاتی ہوئی کوئی چیز ہے، اسلام میں فضائل وبرکات حاصل کرنے کا سادہ طریقہ ہے نہ کہ تہواروں اور میلوں کا انداز اختیار کرنے کا، یہ غیروں کا طریقہ ہے ان سے تشابہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

[سنن ابوداؤد: ج۲/ص۵۵۸]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۲۵ر فروری ۲۰۲۲ء

Date 25 February 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ر فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ-/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذٰلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 7275265518
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)
تعمیرات
A/c. No. 1086 3759 733
ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا